لوگوس

وہ سب کچھ، جو آپ کو بتایا نہیں گیا

جوَن بشیر ابنِ صلیبیؔ

لوگوس

(The LOGOS)

تصنیف و تالیف

جوَن بشیر ابنِ صلیبیؔ

ایم اے (فلسفہ، مذہب والہیات)



NIBS Publications

E-mail: nibspakistan@gmail.com, Tel: +923433210787

نام کتاب	**:**	**لوگوس**
مُصنف	**:**	**جوَن بشیر**
کمپوزنگ	**:**	**آرٹ و گراف**، کراچی
اشاعت بارِ اوّل	**:**	**مارچ2026ء**
تعداد	**:**	**500**
قیمت	**:**	**300روپے**

کتاب کے حصول کے لئے رابطہ:

Mobile Nos. +923433210787, +923022347657

WhatsApp: +923433210787

Email: nibspakistan@gmail.com

فہرستِ مندرجات

اُس (یسوع) میں
حکمت و معرفت کے سب خزانے پوشیدہ ہیں

(مُقدّس پولس)

پہلا باب

لوگوس(Logos)اور قدیم یونانی فلسفہ

قدیم یونانی فکر کے منظر نامے میں "لوگوس"(Logos) کی اصطلاح ایک کلیدی ستون کی حیثیت رکھتی ہے، جس پر مغربی عقلیت پسندی اور فلسفیانہ استدلال کی پوری عمارت استوار ہے۔ لسانیاتی نقطۂ نظر سے اِس اصطلاح کی مرکزیت اِس قدر ہمہ گیر ہے کہ اِس کے فہم کے بغیر (افلاطونی مابعد الطبیعیات ہو یا ارسطو کی منطق) یونانی دانش کا کوئی بھی گوشہ اپنی تفہیم میں تشنہ رہتا ہے۔ یہ ایک ایسی کثیر الجہتی حقیقت کا مظہر ہے، جو بیک وقت انسانی شعور، کائناتی نظم اور سماجی ابلاغ کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ لفظ وہ نقطۂ اتصال ہے، جہاں فکر اور زبان ایک دوسرے میں پیوست ہو کر حقیقت کو منکشف کرتے ہیں۔ اِس کی غیر معمولی وسعت کو سمجھنے کے لیے اشتقاقی بنیادوں (خاص طور پر فعل "legein") کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے، جہاں سے یہ لفظ اپنے معنوی سفر کا آغاز کرتا ہے۔

لسانیاتی تقلیب (Linguistic Transposition) کے عمل میں کسی بھی اسم کے فلسفیانہ ارتقاء کو سمجھنے کے لیے اُس کے مآخذ فعل کا تجزیہ بنیادی شرط ہے۔ لوگوس کا مآخذ یونانی فعل "legein" ہے، جس کے مادی معنی "جمع کرنے"، "اکٹھا کرنے" یا "چننے (gathering/picking out) کے ہیں۔ قدیم یونانی ذہن کے لیے اشیاء کو ایک جگہ اکٹھا کرنا دراصل اُنہیں ایک نظم (Order) میں لانے کا عمل تھا۔ یونانی تصورِ عالَم (Worldview) میں فعل "legein" کے دو بنیادی دھارے ("کہنا" اور "گِننا") اِسی "جمع کرنے" کے تصور سے پھوٹتے ہیں۔ جب ایک یونانی مفکر "گِنتا" ہے تو وہ کائنات کے بکھرے ہوئے عناصر کو ایک عددی ترتیب میں جمع کرتا ہے، اور جب وہ "بولتا" ہے تو وہ الفاظ کو چن کر اُنہیں ایک معنی خیز کلام کی صورت میں اکٹھا کرتا ہے۔ یوں یونانیوں کے نزدیک کائنات ایک "کوسموس" (Kosmos) یعنی ایک مربوط اور منظم اکائی ہے، اور لوگوس وہ آلہ ہے، جو الفاظ اور اعداد دونوں کے ذریعے اِس آفاقی نظم کی عکاسی کرتا ہے۔

آیئے بنیادی لسانی افعال اور اُن کے اشتقاقی مضمرات پر غور کرتے ہیں؛

1۔ جمع کرنا یا چُننا(Gathering): منتشر اجزاء کو ایک با معنی کُل میں تبدیل کرنے کا ابتدائی عمل۔
2۔ گِننا یا شمار کرنا(Counting): کائناتی حقیقتوں کو مقداری اور ریاضیاتی نظم کے تحت لانا۔
3۔ کہنا یا بیان کرنا(Saying): ذہنی تصورات کو لسانی قالب میں ڈھال کر اظہار کی سطح پر لانا۔

یہی وہ لسانی جڑیں ہیں، جنھوں نے آگے چل کر لوگوس کو ایک سادہ عمل سے ایک پیچیدہ فلسفیانہ صیغے میں تبدیل کر دیا۔ لوگوس کی اصطلاحی لچک اِسے ایک منفرد لسانی مظہر بناتی ہے، جو بیک وقت تجریدی منطق اور ٹھوس ریاضیاتی حقائق کو محیط ہے۔ یہ لفظ ایسی وحدت کو ظاہر کرتا ہے، جہاں عقل(Reason) خود کو مختلف پیرایوں میں ظاہر کرتی ہے۔ آیئے! ایک جدول کے ذریعے لوگوس کے مختلف معانی اور اُن کے عمیق فلسفیانہ اثرات کی وضاحت کرتے ہیں؛

زُمرہ	اصطلاحی معنی	فلسفیانہ اثر
ریاضیاتی (Mathematical)	حساب (Account) تناسب (Ratio)	یہ "ratio reddere" یا "عقلی جوابدہی" کے اسلوب کو جنم دیتا ہے، جو کائنات کے عددی قوانین اور مقداری ہم آہنگی کو واضح کرتا ہے
منطقی (Logical)	تعریف (Definition) قضیہ (Proposition)	تعریف شے کی ماہیت کی حدود(Boundary of essence) متعین کرتی ہے، جبکہ قضیہ صداقت کے اُن دعوؤں کی بنیاد بنتا ہے، جن پر منطقی استدلال قائم ہے
لسانی (Linguistic)	کلام یا بیان (Statement)	یہ وہ ذریعہ ہے، جس سے حقیقت کو صَوتی یا تحریری صورت میں منکشف کیا جاتا ہے، تاکہ وہ فہمِ عامہ کا حصہ بن سکے

لوگوس کا یہ ارتقائی سفر "حساب" کی ایک سادہ سطح سے شروع ہو کر "تعریف" اور "قضیہ" جیسی اعلیٰ فکری صورتوں تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ یہ اِس حقیقت کا ثبوت ہے کہ یونانی فکر میں ریاضیاتی درستی اور لسانی اظہار مل کر عقل (Reason) کا وہ جامع تصور تخلیق کرتے ہیں، جو مغربی تہذیب کا طُرّہِ امتیاز ہے۔

لسانیاتی ارتقاء:

لوگوس کا لسانیاتی ارتقاء ایک منجمد بیان (Statement) سے ایک متحرّک مکالمہ (Dialogue) کی طرف سفر کی داستان ہے۔ یہ محض لسانی تبدیلی نہیں، بلکہ اُس کے پسِ پردہ قدیم یونانی شہری ریاست (Polis) کا وہ سیاسی اور فلسفیانہ ڈھانچہ موجود ہے، جہاں سچائی کسی ایک فرد کی جاگیر نہیں، بلکہ مشترکہ جستجو کا حاصل تھی۔ جہاں "بیان" ایک حتمی اور بسا اوقات آمرانہ اظہار کی علامت ہے، وہاں مکالمہ (Dia-logos) اُس شعور کی نمائندگی کرتا ہے، جو دو یا دو سے زیادہ ذہنوں کے درمیان زبان (Language) کے پُل کے ذریعے سفر کرتا ہے۔ لوگوس کا "زبان" بننا اِس بات کی علامت ہے کہ انسانی عقل اپنی انفرادی خلوت سے نکل کر سماجی سطح پر خود کو منکشف کر رہی ہے۔ یہ انتقال دراصل عقلیت پسندی کے اُس جمہوری عمل کی بنیاد ہے، جہاں ہر "قضیہ" بحث اور جرح کے عمل سے گزر کر سچائی کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ یوں لوگوس باطنی فکر اور خارجی کائنات کے درمیان ایک ابدی ربط بن کر ابھرتا ہے۔ لسانیاتی تقلیب اور کلاسیکی فلولوجی (Philology) کے تناظر میں درج ذیل نتائج نہایت اہمیت کے حامل ہیں؛

1۔ **فعلی بنیاد کی مرکزیت:** لوگوس کا فہم اُس کے مآخذ فعل "legein" (اکٹھا کرنا یا چننا) کے ادراک کے بغیر ممکن نہیں، جو فکر کو "نظم آفرینی" کے عمل سے جوڑتا ہے۔

2۔ **تناسب اور کلام کی ثنویت:** اِس اصطلاح کی اصل قوت تناسب (Ratio) کی ریاضیاتی درستی اور کلام (Discourse) کی لسانی وسعت کے درمیان موجود تخلیقی تناؤ میں پنہاں ہے۔ یہی ثنویت اِسے سائنس اور فلسفہ دونوں کا منبع بناتی ہے۔

3۔ **یونانی عقلیت پسندی کا تشکیلی عنصر:** لوگوس وہ بنیاد ہے، جس نے قدیم یونان میں "تعریف" اور "قضیہ" کے ذریعے سائنسی منہاج کو وضع کیا، جو مابعد الطبیعیاتی حقائق کو منطقی قالب میں ڈھالنے کا وسیلہ بنا۔

فلسفۂ لسانیات میں "لوگوس" محض ایک تاریخی اصطلاح نہیں، بلکہ انسانی شعور کے اُس ارتقاء کا نام ہے، جس نے مبہم احساسات کو منظم فکر اور عالمگیر زبان عطا کی۔

لوگوس کا دوہرا رُخ–کائناتی ضابطہ اور فکری اظہار:

قدیم یونانی مابعد الطبیعیات کے ارتقا میں لوگوس (Logos) کا تصور ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہراکلیتس وہ اوّلین مفکر ہے، جس کے ہاں اِس اصطلاح کا قدیم ترین ذکر ایک منظم کائناتی ضابطے کے طور پر ملتا ہے۔ اُس کے فکر میں لوگوس محض ایک لسانی اکائی نہیں، بلکہ ایک ایسی مابعد الطبیعیاتی حقیقت ہے، جو کائنات کے ذرّے ذرّے میں پیوست ہے۔ ہراکلیتس کے مطابق یہ اصول "ہمیشہ سے موجود ہے" اور کائنات کا تمام تر تغیر و تبدل اِسی ابدی قانون کا مرہونِ منت ہے۔ اِس تصور کی علمی اہمیت اِس حقیقت میں مضمر ہے کہ یہ کائنات کو محض اتفاقات کا مجموعہ تسلیم کرنے کے بجائے ایک ہمہ گیر منطق کے تابع قرار دیتا ہے۔ ہر چیز لوگوس کے مطابق وقوع پذیر ہوتی ہے۔ کائناتی نظم (Cosmic Order) ایک غیر متبدّل حقیقت ہے، جس سے انحراف ممکن نہیں۔ لوگوس کا ادراک دراصل اُس کائناتی سچائی تک رسائی ہے، جو اشیاء کے ظواہر کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ تاہم لوگوس کی اِس ہمہ گیریت اور ابدی موجودگی کے باوجود انسانی شعور اور کائناتی حقیقت کے درمیان ایک ایسا تضاد موجود ہے، جو تفہیمِ حقیقت کی راہ میں بنیادی رکاوٹ بنتا ہے۔

لوگوس کی ابدیت اور انسانی لاشعوریت کا تضاد:

انسانی ادراک کی تاریخ میں یہ ایک گہری علمیاتی ناکامی (Epistemological Failure) رہی ہے کہ انسان کائناتی سچائی کے اِس قدر قریب ہونے کے باوجود اُس سے غافل رہتا ہے۔ ہراکلیتس اِس تضاد کو نہایت شدت سے بیان کرتا ہے کہ لوگوس کی مسلسل موجودگی کے باوجود لوگوں نے اُسے "نہ تو پہلے سمجھا اور نہ ہی اب سمجھتے ہیں"۔ غالباً انجیلِ یوحنا کی یہ آیت: "وہ دنیا میں تھا۔۔۔ لیکن دنیا نے اُسے نہ جانا" (یوحنا 1: 10) ہراکلیتس کے بیان سے گہری مماثلت رکھتی ہے۔ یہاں "وجودیات" (Ontology) اور "علمیات" (Epistemology) کے درمیان ایک واضح فرق پایا جاتا ہے، یعنی حقیقت تو اپنی جگہ موجود ہے، مگر انسانی شعور اُسے منعکس کرنے میں ناکام ہے۔ اِس صورتحال کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جب حقائق کو اُن کی

اصل فطرت کے مطابق بیان بھی کر دیا جائے، تب بھی انسانی موضوعیت (Subjectivity) ایک حجاب بن کر سامنے آتی ہے۔ ہر اکلیتس اِس غفلت کو بیداری اور نیند کے استعارے سے واضح کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک "عام لوگ بیداری کی حالت میں بھی وہی کچھ بھول جاتے ہیں، جو وہ نیند کے دوران فراموش کر دیتے ہیں"۔ یہ فکری غفلت دراصل کائناتی سچائی کے مقابلے میں اپنی ذاتی اور محدود دنیا میں مگن رہنے کا نام ہے۔

آگہی (Awareness) اور جہالت (Ignorance):

1۔ **آگہی:** وہ شعور، جو اشیاء کو اُن کی اصل فطرت (Nature) کے مطابق پرکھتا ہے اور کائناتی لوگوس کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے۔

2۔ **جہالت (لاعلمی):** کلامِ حق سننے کے باوجود اُس کی گہرائی تک پہنچنے میں ناکامی، جو انسان کو ایک فکری "خواب زدہ" حالت میں رکھتی ہے۔

3۔ **فکری تضاد:** حقیقت کا ببانگِ دہل اظہار ہونے کے باوجود انفرادی تعصبات کی بنا پر اُسے تسلیم نہ کرنا، جو سائنسی اور فلسفیانہ جمود کا باعث بنتا ہے۔

یہ علمیاتی خلیج انسان کو اُن کائناتی قوانین (Cosmic Laws) سے دور رکھتی ہے، جو پوری کائنات کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔

لوگوس کی دوہری نوعیت—کلام اور کائناتی اصول:

ہراکلیتس کے فلسفے کی انفرادیت اُس کے "دوہرے رُخ" میں پنہاں ہے۔ لوگوس بیک وقت ایک "بیان" (Discourse) بھی ہے اور ایک "کائناتی اصول" (Cosmic Principle) بھی ہے۔ جب ایک مفکر فطرت کے قوانین کو الفاظ کا جامہ پہناتا ہے تو اُس کا کلام محض ذاتی رائے نہیں رہتا، بلکہ وہ کائناتی سچائی کا عکس بن جاتا ہے۔ یہاں لسانی اظہار اور کائناتی قانون ایک دوسرے میں مدغم ہو کر حقیقتِ مطلق کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہاں ہم ایک جدول کے ذریعے اِس دوہری نوعیت کے تقابلی پہلوؤں کو واضح کرتے ہیں؛

کائناتی اصول (Cosmic Principle)	ہراکلیتس کا بیان / کلام (Discourse)	پہلو
کائنات کے پسِ پردہ کارفرما ابدی اور غیر متبدل ضابطہ	حقائق کی وہ لسانی وضاحت، جو فطرت کے مطابق ہو	**تعریف**
کائنات کے تمام مظاہر اور واقعات کو کنٹرول کرنا	اشیاء کی اصل حقیقت کو انسانی فہم کے لیے آشکار کرنا	**وظیفہ**
یہ وہ "قانون" ہے، جس کے مطابق ہر چیز وقوع پذیر ہوتی ہے	یہ وہ "کلام" ہے، جسے لوگ سنتے ہیں، مگر سمجھنے میں تامّل کرتے ہیں	**حیثیت**
مابعد الطبیعیاتی بنیاد، جس پر تمام علم کی عمارت قائم ہے	کائناتی حقیقت کا فکری اور لسانی ترجمان	**علمیاتی ربط**

اِن دونوں پہلوؤں کی ہم آہنگی ناگزیر ہے۔ ایک محقق کا "بیان" اُسی وقت معتبر مانا جاتا ہے، جب وہ کائناتی "لوگوس" (قانون) کی درست ترجمانی کرے۔ اگر بیان اور کائناتی حقیقت میں ربط نہ ہو، تو تحقیق محض خام خیالی بن کر رہ جاتی ہے۔ یہی ہم آہنگی علمی دیانت اور سائنسی صداقت کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ ہراکلیتس کے تصورِ لوگوس کا تجزیہ چند کلیدی نتائج فراہم کرتا ہے، مثلاً؛

1۔ علمیاتی دیانت اور فطرت کے مطابق بیان (Ontological Accuracy): تحقیق کا بنیادی مقصد چیزوں کو اُن کی ظاہری صورت کے بجائے اُن کی "اصل فطرت" کے مطابق بیان کرنا ہونا چاہیے۔ جب تک محقق اپنی ذاتی پسند و ناپسند سے بالاتر ہو کر کائناتی ضابطے کو بنیاد نہیں بناتا، اُس وقت تک علمی نتائج کی اعتباریت مشکوک رہتی ہے۔

2۔ کائناتی نظم کی ہمہ گیریت (Universal Order): ماہرانہ تحقیق کے لیے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کائنات میں کوئی بھی واقعہ اتفاقی نہیں ہے۔ ہر مظہر ایک طے شدہ "لوگوس" کے تحت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ محقق کا کام پوشیدہ نظم کو دریافت کرنا اور اُسے کلام (بیان) کے قالب میں ڈھالنا ہے۔

3۔ فکری بیداری اور موضوعیت کا خاتمہ (Intellectual Vigilance): ہراکلیتس ہمیں خبردار کرتا ہے کہ حقیقت کا سامنے ہونا اُس کے ادراک کی ضمانت نہیں ہے۔ ایک محقق کو "خوابِ غفلت" یا فکری جمود سے بچنے کے لیے مسلسل بیدار مغزی کا ثبوت دینا چاہیے، تاکہ وہ اُن حقائق کو دیکھ سکے، جو عام نظروں سے اوجھل ہیں۔

لوگوس کا تصور کائنات کے معروضی نظم اور انسانی فکر کے موضوعی اظہار کے درمیان ایک ابدی پُل ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ حقیقی دانش اشیاء کے بکھرے ہوئے ڈھیر میں اُس پوشیدہ کائناتی اصول کو تلاش کرنے کا نام ہے، جو ازل سے موجود ہے اور ابد تک رہے گا۔ ہراکلیتس کا یہ فلسفیانہ ورثہ ہمیں اِس ابدی سچائی کی طرف بلاتا ہے کہ کائنات ایک مربوط اکائی ہے، اور اُسے سمجھنے کے لیے ہمیں اپنے شعور کو کائناتی لوگوس سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔

لوگوس کی وسعت اور فکری ارتقاء:

یونانی فلسفے کی تاریخ میں "لوگوس" (Logos) محض ایک لغوی اصطلاح نہیں، بلکہ ایک اساسی اور تکوینی فکری آلہ ہے، جس نے کلاسیکی فکر کی علمی بنیادیں استوار کیں۔ لوگوس کا ارتقائی سفر اِس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ تصور ایک وسیع اور لچکدار مکالماتی عمل سے نمو پاتا ہوا وقت کے ساتھ ساتھ ایک مربوط اور متعین منطقی ڈھانچے میں ڈھل گیا۔ لوگوس کی مرکزیت اُس کے کثیر الجہتی وظائف میں پوشیدہ ہے، جہاں یہ بیک وقت مکالمے کی روانی، استدلال کی قوت اور سچائی کے معقول بیان کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ یہ محض اظہارِ بیان نہیں تھا، بلکہ فکری جستجو کا وہ جوہر تھا، جس نے انسانی شعور کو محض ظنی آراء سے نکال کر عقلی تیقّن کی راہ دکھائی۔ یہی عمومی "لوگوس" آگے چل کر افلاطونی اور سقراطی تناظر میں علمِ کُل کے حصول کا بنیادی ذریعہ بنا۔

افلاطون کے "مکالمات" میں "لوگوس" کا تصور کسی ایک جامد پیرائے میں مقید نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے فکری سیاق وسباق کے اعتبار سے نہایت متحرّک اور ہمہ گیر ہے۔ افلاطون اِس اصطلاح کو فکری و منطقی سفر کے مختلف مراحل پر استعمال کرتا ہے، جس سے اُس کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ افلاطونی بیانیے میں "لوگوس" کے دو بنیادی پہلو نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں؛

1۔ مجموعی بحث یا مکالمے کا بہاؤ: اکثر مقامات پر "لوگوس" سے مراد وہ مکمل جدلیاتی عمل یا مکالمہ ہوتا ہے، جو شرکاء کے مابین حقیقت کی تلاش میں جاری رہتا ہے۔ یہ فکر کے اُس مجموعی سفر کی نمائندگی کرتا ہے، جس کا مقصد حقائق کی تہہ تک پہنچنا ہے۔

2۔ مخصوص استدلال (Argument): مکالمے کے دوران جب کوئی شریکِ گفتگو اپنے کسی دعوے کی تائید میں کوئی ٹھوس منطقی دلیل پیش کرتا ہے، تواِس مخصوص "استدلال" کو بھی "لوگوس" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ تنوع اِس بات کا ثبوت ہے کہ افلاطون کے ہاں لوگوس کوئی ساکن شے نہیں، بلکہ ایک ارتقائی عمل ہے، جو عمومی مکالمے سے شروع ہو کر مخصوص عقلی دلیل تک رسائی حاصل کرتا ہے اور بالآخر "علم" (Epistēmē) کی بنیاد بنتا ہے۔

علم (Epistēmē) اور لوگوس کا باہمی ربط:

قدیم یونانی فکر میں "جاننے" کے دعوے کو اُس وقت تک مستند تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، جب تک کہ صاحبِ علم اُس کی عقلی توجیہ پیش کرنے پر قادر نہ ہو۔ علم (Epistēmē) اور "لوگوس" کا یہ گہرا ربط افلاطون کے مکالمہ "فیڈو" (Phaedo) میں پوری شدت کے ساتھ ابھرتا ہے۔ اِس مکالمے کا کلیدی نکتہ یہ ہے کہ "جو شخص کسی شے کو جانتا ہے، وہ اُس کا معقول بیان (Logos) دینے کے قابل ہوتا ہے"۔

یہ شرط علم کو محض اتفاقیہ درست رائے (True Opinion) سے ممتاز کر کے ایک اعلیٰ عقلی مقام عطا کرتی ہے۔ یہاں "قوتِ بیانیہ" محض الفاظ کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک "اظہارِ عقلی" ہے، جو اِس بات کی شہادت دیتا ہے کہ فرد نے شے کی حقیقت کا ادراک کر لیا ہے۔ اِس تناظر میں "لوگوس" ایک پُل کا کردار ادا کرتا ہے، جو موضوعی یقین کو معروضی حقیقت سے جوڑتا ہے۔ یہی وہ علمی ضرورت تھی، جس نے سقراطی سوالات کی راہ ہموار کی، جہاں "لوگوس" کا مطالبہ دراصل انسان کی عقلی اور اخلاقی دیانت کا امتحان بن گیا۔

سقراط کا طریقہِ تدریس، جسے "سقراطی طریقہ" (Socratic Method) کہا جاتا ہے، بنیادی طور پر "لوگوس" کی طلب کا عمل تھا۔ سقراط جب اپنے مخاطب سے اُس کے علمی دعوے کی بنیاد یا "لوگوس" طلب کرتا تھا، تو اُس کا مقصد محض لغوی لغت آرائی نہیں تھا، بلکہ وہ مخاطب کی روح (Psyché) اور اُس کے افکار کا تزکیہ چاہتا تھا۔ سقراط کا یہ مطالبہ ارسطو کی بعد میں آنے والی "لغوی تعریف" (Horismos) کے

مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ سقراط محض اشیاء کی ظاہری حدود متعین کرنے کے بجائے اُن کے آفاقی جوہر (Eidos) اور اُس کے پیچھے کارفرما اخلاقی و عقلی اساس کی جستجو کرتا تھا۔ اُس کے نزدیک "لوگوس" دیندار اصل اپنی زندگی اور افکار کا ایک ایسا عقلی حساب پیش کرنا تھا، جس میں تضاد کی گنجائش نہ ہو۔ یہ مطالبہ محض منطقی موشگافی نہیں، بلکہ ایک فکری ذمہ داری تھی، جس نے بعد میں ارسطو کے لیے اِس وسیع سمندر کو ضابطہ بند کرنے کی بنیاد فراہم کی۔

ارسطو کی "تعریف" (Horismos) کی طرف منتقلی اور اُس کی باقاعدہ تشکیل:

ارسطو کے عہد تک پہنچتے پہنچتے سقراطی و افلاطونی "لوگوس" کی سیال اور ہمہ جہت فطرت کو ایک منظم اور متعین منطقی ضابطے میں ڈھال دیا گیا۔ ارسطو نے اِس وسیع عقلی مطالبے کو "تعریف" (Horismos) کی شکل دی، جس کا مقصد علم کو قطعی، معین اور مستحکم بنانا تھا۔ اِس فکری منتقلی کے کلیدی پہلو درج ذیل ہیں؛

1۔ **منطقی نظم و ضبط:** ارسطو نے "لوگوس" کو لغوی اور منطقی حدود میں مقید کر کے فلسفیانہ ابہام کا خاتمہ کیا۔ اُس نے "تعریف" کو ایک ایسے آلے کے طور پر متعارف کرایا، جو شے کی حدود (Limit) متعین کر کے اُسے دیگر اشیاء سے ممتاز کرتا ہے۔

2۔ **جوہر (Essence) کی شناخت:** ارسطو کی "تعریف" کا اصل مقصد شے کی "ماہیت" یا "جوہر" تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ اُس نے "لوگوس" کو محض استدلال کے عمل سے نکال کر ایک علمی نتیجے (Product) میں تبدیل کر دیا، جس سے فلسفیانہ مباحث میں پختگی اور استحکام پیدا ہوا۔

ارسطو کا یہ کارنامہ دراصل سقراطی جستجو کو ایک ٹھوس منطقی انجام تک پہنچانا تھا، جہاں "لوگوس" ایک جاری عمل کے بجائے ایک حتمی علمی صنف بن گیا۔ سقراطی "لوگوس" سے ارسطوی "تعریف" تک کا ارتقاء یونانی فکر کی وہ عظیم جَست ہے، جس نے مغربی دانش کے مستقل خدوخال طے کیے۔ جہاں سقراط نے "لوگوس" کو ایک مسلسل عقلی محاسبے اور سچائی کی تڑپ کے طور پر متعارف کرایا، وہاں ارسطو نے اُسے ایک منظم ضابطے اور "تعریف" کی صورت دے کر علمِ منطق اور سائنسی استخراج کی بنیاد رکھی۔ یہ سفر دراصل "عمل" (Process) سے "نتیجہ" (Product) کی طرف منتقلی کا سفر ہے۔ اِس پورے تجزیے سے یہ

حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ کلاسیکی یونانی روایت میں "بیان کرنے کی قدرت" اور "عقلی توجیہ" ہی علم کی معراج قرار پائی۔ اِسی فکری ارتقاء نے یہ اصول وضع کیا کہ حقیقی علم وہی ہے، جو مدلل ہو، جس کی حدود متعین ہوں اور جو انسانی عقل کے سامنے جوابدہ ہو۔

دوسرا باب

افلاطونی فکر میں لوگوس

افلاطونی علمیات (Epistemology) میں لوگوس (Logos) کا تصور محض ایک لسانی صیغے یا کلامی بیانیے تک محدود نہیں، بلکہ یہ وہ اساسی واسطہ ہے، جو انسانی ادراک کو مابعد الطبیعیاتی حقائق سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ افلاطون کی فکری جدوجہد کا محور علم (Episteme) کی ایک ایسی جامع تعریف کی تلاش ہے، جو اِسے محض اتفاقیہ رائے (Doxa) سے ممتاز کر سکے۔ اِس تناظر میں لسانی سطح پر جاری لوگوس (بطورِ عقلی توجیہ) سے مابعد الطبیعیاتی سطح پر وجود (Ousia) تک کا سفر افلاطونی فکر کا سنگِ میل ہے۔ یہاں ہمارے پیشِ نظر بنیادی مقصد اِس سوال کا علمیاتی تجزیہ کرنا ہے کہ کیوں ایک سچا اعتقاد محض اپنی درستی کے باوجود اُس وقت تک حقیقی علم کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ وجود (Ousia) کے ساتھ نامیاتی طور پر مربوط نہ ہو۔ یہ بحث افلاطون کے مکالمے "تھے ای ٹیٹس" (Theaetetus) میں پیش کردہ علمیاتی خلل سے شروع ہو کر "جمہوریہ" (Republic) کی مابعد الطبیعیاتی غایت پر منتج ہوتی ہے۔

مکالمہ "تھے ای ٹیٹس" افلاطون کی علمیاتی تحقیق میں ایک تمہیدی مگر تزویراتی اہمیت کا حامل ہے، جہاں وہ علم کی فطرت کو خالص منطقی اور لسانی بنیادوں پر پرکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس مکالمے کے آخری حصے میں علم کی یہ تعریف پیش کی گئی ہے کہ "لوگوس سچا اعتقاد ہے" (Logos is true belief)۔ اگرچہ یہ تعریف قاری کو علم کی ایک معقول عقلی تشریح کے قریب لے آتی ہے، تاہم "تھے ای ٹیٹس" کا مجموعی سیاق و سباق اِسے تشنہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں "لوگوس" کا تصور محض ایک "عقلی بیان" (Rational Account) تک محدود ہے، جو وجودی اساس سے محروم ہے۔ "تھے ای ٹیٹس" میں پیش کردہ لوگوس کی یہ تعریف درج ذیل وجوہات کی بنا پر ناقص (Incomplete) قرار پاتی ہے؛

1۔ وجودی جوہر (Ousia) کی غیر موجودگی: اِس تعریف کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ "وجود کا لوگوس" (Logos of Ousia) فراہم کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ محض سچا ہونا کسی اعتقاد کو علم نہیں بناتا، جب تک وہ شے کی اصل ماہیئت کی وضاحت نہ کر سکے۔

2۔ حتمی صراحت کا فقدان: مکالمے میں لوگوس کی کوئی ایسی حتمی توجیہ پیش نہیں کی گئی، جو علم کو محض ایک درست گمان یا اتفاقیہ حقیقت سے ممیز کر سکے۔

3۔ مابعد الطبیعیاتی لنگر کی کمی: یہاں لوگوس صرف ایک منطقی ضابطہ ہے، اِسے تمثیلِ غار جیسی کسی ٹھوس مابعد الطبیعیاتی بنیاد پر استوار نہیں کیا گیا۔

جب تک "لوگوس" کے پاس مابعد الطبیعیاتی لنگر (Metaphysical Anchor) موجود نہ ہو، وہ محض ایک لسانی ڈھانچہ رہتا ہے، جو "علمِ کامل" کی بلندیوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں "تھے ای ٹیٹس" کی منطقی حدود ہمیں "جمہوریہ" کی وجودی بلندیوں کی طرف ہجرت پر مجبور کرتی ہیں۔

افلاطون کی "جمہوریہ" میں تمثیلِ غار اور خطِ منقسم (Sun-Line-Cave) کے استعارے لوگوس کی اُس انتہا کو ظاہر کرتے ہیں، جہاں منطقی مکالمہ اپنے منطقی انجام کو پہنچتا ہے۔ یہاں لوگوس کا منصب صرف درست بیانیہ تشکیل دینا نہیں، بلکہ "وجودِ حقیقی" (Ousia) کی ایسی عقلی توجیہ پیش کرنا ہے، جو انسانی روح کو مادی سایوں سے نکال کر کُلی حقیقتوں کے مشاہدے کے قابل بنا دے۔ جمہوریہ کے تناظر میں منطقی مکالمہ تبھی بارآور ہوتا ہے، جب وہ "اوسیا" (Ousia) یعنی شے کی دائمی حقیقت کا احاطہ کر سکے۔

تھے ای ٹیٹس بمقابلہ جمہوریہ

تھے ای ٹیٹس (Theaetetus)	جمہوریہ (Republic)
لوگوس کی تعریف "سچا اعتقاد" کے طور پر کی گئی، جو ایک نامکمل علمیاتی سطح ہے	لوگوس اپنی تکمیل "وجود" (Ousia) کی جامع تشریح اور ادراک کے ذریعے پاتا ہے
منطقی بیانیہ اپنی وجودی بنیادوں سے محروم ہے، جس کے باعث تعریف "ناقص" رہتی ہے	منطقی مکالمہ "وجود کا لوگوس" فراہم کرتا ہے، جو اُسے حقیقی "سائنس" یا علم بناتا ہے
انسان محض الفاظ اور لسانی توجیہات کے حصار میں رہتا ہے	انسان "تمثیلِ غار" کے مراحل طے کر کے رائے (Opinion) سے حقیقی فہم (Understanding) تک رسائی پاتا ہے

جب ایک مفکر اِس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ شے کے مابعد الطبیعیاتی وجود کا لوگوس پیش کر سکے، تو وہ محض ایک معتقد نہیں رہتا، بلکہ "عارف" (Knower) کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ "تھے ای ٹیٹس" کی لسانی الجھنوں سے "جمہوریہ" کی وجودی شفافیت تک کا سفر افلاطونی فکر کے ارتقاء کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ منتقلی واضح کرتی ہے کہ ایک عقلی بیان (Logos) اُس وقت تک علم کی سند حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ اِس "اعلیٰ مطالبے" کو پورا نہ کرے، یعنی "وجود کا لوگوس" (Logos of Ousia) فراہم کرنا۔ اگر آپ کسی شے کی ازلی ماہیئت کو بیان کرنے سے قاصر ہیں، تو آپ کا منطقی استدلال محض ایک سائے کی مانند ہے، جس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں۔ اِس علمیاتی ترکیب کے تین کلیدی نکات ہیں؛

1۔ **لوگوس کی وجودی تکمیل:** لوگوس جب تک صرف "سچے اعتقاد" سے منسلک ہے، وہ تشنہ ہے۔ اُس کی معراج صرف "اوسیا" (Ousia) کے بیان میں مضمر ہے۔

2۔ **حقیقی علم کا جوہر:** سچی رائے اور حقیقی علم کے درمیان حتمی فرق "ماہیئت کی وضاحت" کا ہے۔ علمِ کامل وہی ہے، جو شے کے مستقل وجود کی عقلی اساس فراہم کرے۔

3۔ **فکری ارتقاء کا تسلسل:** افلاطون کے ہاں "تھے ای ٹیٹس" اور "جمہوریہ" میں تضاد نہیں، بلکہ فکری بلوغت کا رشتہ ہے۔ پہلا مکالمہ سوال اٹھاتا ہے اور منطقی خلا کو واضح کرتا ہے، جبکہ دوسرا مکالمہ مابعد الطبیعیاتی وجود کے ذریعے اُس خلا کو پر کرتا ہے۔

افلاطون کے نزدیک منطقی بیانیہ اور مابعد الطبیعیاتی وجود کے درمیان یہ تلازم ہی وہ کلید ہے، جو انسانی عقل کو محض کلامی بحثوں سے بلند کر کے حقیقتِ مطلق کے روبرو کھڑا کر دیتی ہے۔ مجموعی طور پر افلاطونی نظامِ فکر میں لوگوس اور مابعد الطبیعیاتی وجود (Ousia) کے مابین تعلق ایک ایسی کڑی ہے، جہاں منطق اور مابعد الطبیعیات باہم مدغم ہو جاتے ہیں۔ مکالمہ "تھے ای ٹیٹس" ہمیں وہ منطقی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے، جس میں علم کی تعریف کی گنجائش موجود ہے، لیکن "جمہوریہ" اس ڈھانچے کو وجودی مادہ فراہم کر کے اُسے مکمل کرتی ہے۔ علم کی انتہا محض درست بیانات کی ادائیگی نہیں، بلکہ کائنات کے جوہری حقائق کا عقلی ادراک ہے۔ انسانی عقل کی معراج اور فکری شفافیت کے لیے ناگزیر ہے کہ منطقی استدلال کو وجود کی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جائے، کیونکہ وجود سے کٹا ہوا لوگوس محض ایک بے روح صدف ہے، جس میں علم کا موتی موجود نہیں۔

لوگوس(Logos)اور اناگکے(Anagkē)–افلاطونی کائنات کے دو ستون:

افلاطون کی شاہکار تصنیف "تیماؤس" (Timaeus) کونیاتی ترتیب کے حوالے سے ایک ایسا مربوط فلسفیانہ ڈھانچہ پیش کرتی ہے، جس کی بنیاد عقل (Reason) اور مادی جبر (Necessity) کے باہمی تناؤ پر ہے۔ اِس کائناتی نقشے میں ڈیمی اُرگے (Demiurge) یعنی "خالقِ کائنات" کا کردار نہایت اہم ہے۔ وہ ایک ایسی صانع ہستی ہے، جو "عالمِ مثال" (Realm of Forms) کی ابدی حقیقتوں اور مادی دنیا کی تغیر پذیری کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتی ہے۔ کائنات کی تشکیل محض ایک اتفاقی عمل نہیں، بلکہ لوگوس (Logos) اور اناگکے (Anagkē) کے مابین ایک ایسی شعوری کشمکش ہے، جو ہماری مادی حقیقت کی حدود اور نظم و ضبط کا تعین کرتی ہے۔ اِن دو متضاد قوتوں کے باہمی تعامل کو سمجھے بغیر افلاطونی کائنات کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

افلاطون کے نظامِ فکر میں "لوگوس" دراصل خالقِ کائنات (Demiurge) کی اُن شعوری سرگرمیوں کا نام ہے، جو کائنات کو "عقل" (Reason) کی بنیاد پر ایک منظم شکل عطا کرتی ہیں۔ افلاطون کے نزدیک تخلیقِ کائنات کا ہر عمل "لوگوس کے اعمال" کا مظہر ہے، جہاں عقلِ کُل ایک فعال محرک کے طور پر مادی دنیا کو بامعنی بناتی ہے۔ لوگوس کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں؛

1۔ غیر متغیر جبلّت(Unchanging Nature): لوگوس کا تعلق اُس حقیقت سے ہے، جو وقت اور تغیر کے اثرات سے پاک ہے، یہی وجہ ہے کہ کائنات میں موجود کونیاتی قوانین ابدی اور مستقل ہیں۔

2۔ ابتری سے ترتیب کی جانب(Order out of Chaos): لوگوس کا بنیادی منصب منتشر اور بے ہنگم مادے کو ایک بامقصد نظام کے تحت لانا ہے، تاکہ مادہ ایک مربوط اکائی میں تبدیل ہو سکے۔

3۔ ادراک کی بنیاد(Foundation of Intelligibility): لوگوس ہی وہ قوت ہے، جو کائنات کو انسانی عقل کے لیے قابلِ فہم بناتی ہے۔ اِسی کے باعث کائنات کا مطالعہ منطقی بنیادوں پر ممکن ہے۔

اگرچہ لوگوس کائنات کا مکمل نقشہ اور عاقلانہ منصوبہ فراہم کرتا ہے، لیکن اِس کی عملی تکمیل کے لیے اُسے ایک ایسی حقیقت کے ساتھ ہم آہنگ ہونا پڑتا ہے، جو پہلے سے موجود ہے اور جس کی اپنی ایک جبلّت ہے، جسے افلاطون "اناگکے" (Anagkē) پکارتا ہے۔ کائناتی تشکیل میں "اناگکے" (Anagkē) کا تصور اُس "جبر" (Compulsion) یا مادی ضرورت کی نمائندگی کرتا ہے، جو عقل کے متوازی اپنا وجود

رکھتی ہے۔ یہ وہ عنصر ہے، جسے افلاطون "ابتری"(Disorder) اور "غیر عقلیت"(Irrationality) کا مظہر قرار دیتا ہے۔ یہ مادی جبر ڈیمی اُرگے کے تخلیقی کام میں تین اساسی طریقوں سے مزاحمت پیدا کرتا ہے؛

1۔ **موروثی بے ترتیبی(Inherent Disorder):** "اناگکے" مادے کی اُس جبلی خاصیت کا نام ہے، جو عقل کے نفاذ کے خلاف ایک مستقل مادی مزاحمت (Resistance) قائم رکھتی ہے، جس کی وجہ سے مادی دنیا کبھی بھی عالمِ مثال جیسی کامل نہیں ہو پاتی۔

2۔ **بے مقصدیت اور اتفاق:** لوگوس کے برعکس "اناگکے" کے افعال کسی شعوری منصوبے کے تابع نہیں، ہوتے، جس کی وجہ سے کائنات میں بعض اوقات غیر منطقی تغیرات، نقص اور ابہام پیدا ہوتا ہے۔

3۔ **تخلیقی حدود:** یہ قوت خالق کو اِس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ مادی عناصر کی فطری خصوصیات اور اُن کی جبری حدود کے اندر رہ کر ہی بہترین ممکنہ صورت گری کرے۔

خالص عقل اور اندھے مادی جبر کے درمیان یہی وہ مستقل کشمکش ہے، جس کی وجہ سے افلاطون کے متن کا تیسرا بڑا ساختی حصہ وجود میں آتا ہے، جہاں اِن دونوں قوتوں کے اشتراک کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ "تیماؤس" کا تیسرا بڑا حصہ ادبی اور فلسفیانہ طور پر "لوگوس اور اناگکے کا اِشتراک" کہلاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں یہ دو متضاد قوتیں ایک دوسرے کے سامنے آتی ہیں۔ یہاں خالق کا کمال یہ نہیں کہ وہ ضرورت (Necessity) کو مٹا دیتا ہے، بلکہ وہ اُسے ترغیب کے ذریعے قابو میں لاتا ہے(Persuasion) تاکہ وہ عقل کے اعلیٰ مقاصد میں معاون بن سکے۔ آیئے ایک جدول کے ذریعے اِس فرق کو سمجھتے ہیں؛

جہت	لوگوس(Reason)	اناگکے(Necessity)
قوت کا ماخذ	ڈیمی اُرگے / عقلِ کُل	مادی جبر / مادی ضرورت
عمل کا مقصد	ترتیب اور مقصدیت	بے ترتیبی اور اتفاق
حتمی حالت	بامقصد نظم	اندھا جبر

اِس اشتراک کی کلید ڈیمی اُرگے کی وہ حکمت ہے، جس کے ذریعے وہ "اناگکے" کو "قائل" کرتا ہے کہ وہ عقل کے تابع ہو کر ایک منظم کائنات کی تشکیل میں حصہ لے۔ یہ باہمی تعاون صرف اِس لیے ممکن ہو

پاتا ہے، کیونکہ خالق کی نظر ایک بلند تر اور غیر متغیر نمونے پر مرکوز ہوتی ہے۔ افلاطونی فکر میں "مثالی نمونہ" وہ غیر متغیر سانچہ ہے، جسے ڈیمی اُرگے کائنات کی صورت گری کے لیے ایک تذویراتی بنیاد کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

نمونے کی ابدیت: خالقِ کائنات کسی عارضی یا بدلنے والی چیز کو نمونہ نہیں بناتا، بلکہ وہ اُن غیر متغیر ابدی حقیقتوں کو دیکھتا ہے، جو "عالمِ امثال" کا حصہ ہیں۔

ادراک بذریعہ لوگوس: ڈیمی اُرگے اِن غیر متغیر سانچوں کو اِس لیے بروئے کار لاتا ہے تاکہ کائنات کو "لوگوس" کے ذریعے سمجھنے کے قابل بنایا جاسکے۔

عقل اور مادے کا ملاپ: یہ مثالی نمونہ عقل (Intellect) اور مادی ظہور کے درمیان ایک معیار کا کام کرتا ہے، جس کی بدولت کائنات ایک مربوط شکل اختیار کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ "ادراک بذریعہ لوگوس" ہی وہ واحد راستہ ہے، جس سے ہم کائنات کی اصل فطرت اور اُس کے اندرونی نظم تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ "لوگوس" اور "اناگکے" کا دوہرا نظام افلاطون کی کونیات کا جوہر ہے۔ جہاں "لوگوس" ترتیب، عقل اور مقصد فراہم کرتا ہے، وہاں "اناگکے" مادی دنیا کی موروثی حدود اور ناگزیر بے ترتیبی کی نشاندہی کرتی ہے۔ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے یہ قدیم ساخت ہمیں سکھاتی ہے کہ کوئی بھی عظیم "ڈیزائن" (Design) تب تک کامیاب نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی مادی "رکاوٹوں" اور "تلازموں" (Necessities) کا مکمل ادراک نہ کرے۔ جو نظام مادے کی جبری حقیقت کو نظر انداز کرکے محض خام خیالی پر مبنی ہوتا ہے، وہ پائیداری سے محروم رہتا ہے۔ کائناتی ترتیب دراصل اناگکے پر لوگوس کی اُس عظیم اخلاقی فتح کا نام ہے، جہاں مادی جبر عقل کے اعلیٰ مقاصد کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ کائنات کا حُسن اِس امر میں پوشیدہ ہے کہ ڈیمی اُرگے نے اندھے جبر کو ترغیب کے ذریعے ایک بامقصد اور حسین نظم میں ڈھال دیا ہے۔

لوگوس اور اوسیا (Logos and Ousia):

ارسطو کے فلسفیانہ نظام میں زبان محض خیالات کی ترسیل کا ایک سادہ آلہ نہیں ہے، بلکہ یہ وجود کی اتھاہ گہرائیوں تک رسائی حاصل کرنے کا ایک ناگزیر منطقی اور مابعد الطبیعیاتی راستہ ہے۔ ارسطو نے لفظ اور

معنی کے نامیاتی رشتے کو جس عمیق بصیرت کے ساتھ پرکھا ہے، اُس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اُس کے نزدیک وجود کی کامل تفہیم لسانی تجزیے کے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوس کی اصطلاح ارسطوئی فکر میں ایک مرکزی ستون کی حیثیت رکھتی ہے، جو ایک یونانی لفظ سے بلند ہو کر ایک **مکمل** فکری اور علمی نظام کی بنیاد بنتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں انسانی شعور اور خارجی حقیقت ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ لسانی اظہار کی اِسی وسعت کو سمجھنے کے لیے ہمیں لوگوس کے کثیر الجہتی پہلوؤں کا عمیق مطالعہ کرنا ہو گا۔

ارسطو اپنے علمی مباحث میں لوگوس کو مختلف لسانی سطحوں پر استعمال کرتا ہے، جو اِس کی ہمہ گیریت اور تزویراتی اہمیت کی دلیل ہے۔ وہ اِسے روزمرّہ کی گفتگو سے لے کر دقیق فلسفیانہ استدلال تک ہر جگہ ایک نئے جوہر کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

عام لسانی استعمال: روزمرہ کے تناظر میں ارسطو لوگوس کو زبان، لفظ، تقریر اور بیان جیسے عام فہم معنوں میں برتتا ہے۔ یہاں قابلِ ذکر امر "نثر" کا بطورِ لوگوس استعمال ہے۔ ارسطو کے نزدیک نثر محض عبارت آرائی نہیں، بلکہ خیالات کی ایک ایسی منطقی اور مربوط ترتیب ہے، جو شعری تخیل اور محض نقالی کے بجائے عقلِ سلیم پر مبنی ہوتی ہے۔

تکنیکی استعمال: فلسفیانہ مباحث میں لوگوس کی معنویت مزید عمیق ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ محض ایک لفظ نہیں رہتا، بلکہ ایک باضابطہ منطقی استدلال اور فکری سانچے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس کے ذریعے سچائی کا ادراک کیا جاتا ہے۔

ارتقائی پہلو: ارسطو اِس اصطلاح کی تفہیم میں اپنے استاد افلاطون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ جہاں افلاطون کے ہاں لوگوس کے استعمالات محدود دکھائی دیتے ہیں، وہاں ارسطو اِسے ایک ایسی نئی معنویت عطا کرتا ہے، جو وجود کی ماہیت کو متعین کرنے کا واحد مستند آلہ بن جاتی ہے۔

یہ لسانی وسعت اِس ضرورت کو جنم دیتی ہے کہ ہم لوگوس کی محض لغوی تعریف پر اکتفانہ کریں، بلکہ اُس کی تکنیکی ساخت کو سمجھیں، جو اُسے ماہیتِ وجود سے جوڑتی ہے۔ ارسطو کے نزدیک کسی شئے کی "حقیقی تعریف" محض الفاظ کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ وہ شئے کی "ماہیت" کا عکاس ہے۔ جب ہم کسی "نوع" کی تعریف کرتے ہیں، تو دراصل ہم اُس کے وجودی جوہر کو ایک منطقی صیغے میں مقید کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ عمل زبان اور حقیقت کے درمیان ایک ایسا پُل تعمیر کرتا ہے، جہاں لفظ حقیقت کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔

لوگوس بطورِ لفظی صیغہ: ارسطو کے مطابق لوگوس وہ مخصوص "لفظی صیغہ" ہے، جو کسی شئے کی داخلی حقیقت اور اُس کی بناوٹ کے اصول کو بیان کرتا ہے۔ یہ وہ فنی اور منطقی ڈھانچہ ہے، جس کے ذریعے علم کی ترتیب اور درجہ بندی ممکن ہوتی ہے۔

تعریف اور ماہیت کا اتحاد: یہ وہ نکتہ ہے، جہاں زبان اور حقیقت یکجا ہو جاتے ہیں۔ کسی شئے کی تعریف (لوگوس) اُس کی ماہیت سے جدا کوئی شئے نہیں ہے، بلکہ وہ وجود کے جوہر کا لسانی ظہور ہے، جو اُسے کائنات کی دیگر تمام اشیاء سے ممتاز اور منفرد بناتا ہے۔

یہ بحث ایک ایسے دقیق نکتے کی طرف لے جاتی ہے، جہاں لوگوس محض منطقی تعریف تک محدود نہیں رہتا، بلکہ "اوسیا کے لوگوس" کی صورت میں ایک وسیع تر مابعدالطبیعیاتی وسعت اختیار کر لیتا ہے۔ ارسطو جب "اوسیا کا لوگوس" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، تو وہ لغوی تعریف کے روایتی دائرے کو توڑ کر ایک وسیع تر وجودی تناظر میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ اصطلاح وجود کے اُس جوہر کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو محض الفاظ میں قید نہیں ہوتا، بلکہ ایک گہری مابعدالطبیعیاتی بصیرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اِس کی امتیازی خصوصیات کا موازنہ یوں کیا جا سکتا ہے؛

1۔ معیاری لسانی تعریف: اِس کا دائرہ کار بنیادی طور پر منطقی ہوتا ہے۔ یہ محض کسی نوع کی عمومی خصوصیات کو واضح کرنے اور اِسے دیگر اصناف سے الگ کرنے تک محدود رہتی ہے۔ یہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ کوئی شئے "کیا" ہے۔

2۔ اوسیا کا لوگوس: یہ ایک مابعدالطبیعیاتی اور وجودی تناظر پیش کرتا ہے۔ یہ محض کسی شئے کی درجہ بندی نہیں کرتا، بلکہ اُس کے وجود کی بنیادوں اور اُس کی فطرت کے اصل جوہر کو واضح کرتا ہے۔ یہ منطقی حدود سے نکل کر وجود کی درجہ بندی (Hierarchy of Being) میں شئے کے مقام کا تعین کرتا ہے۔

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ "اوسیا" یا وجود کی حقیقت تک رسائی کے لیے محض لسانی مہارت کافی نہیں، بلکہ ایک ایسی عمیق فلسفیانہ بصیرت درکار ہے جو لفظ کے پردے میں چھپے ہوئے وجودی نظام کو پا سکے۔ "اوسیا کا لوگوس" ہمیں منطق سے مابعدالطبیعیات کی طرف لے جانے والا وہ راستہ ہے جہاں وجود اور شعور کا اتحاد ہوتا ہے۔ ارسطو کے ہاں "لوگوس" اور "اوسیا" کے درمیان ایک اٹوٹ اور یگانہ رشتہ موجود ہے۔ اگرچہ زبان اپنی ظاہری ساخت میں محدود ہو سکتی ہے، لیکن ارسطو اِسے وجود کی تفہیم کا سب سے مستند اور منطقی

ذریعہ قرار دیتا ہے۔ لوگوس وہ شفاف آئینہ ہے، جس میں وجود کی ماہیت منعکس ہوتی ہے۔ حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ارسطو کے ہاں علمِ وجود اور فلسفہِ زبان الگ الگ جزیرے نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ زبان محض وجود کا بیان نہیں ہے، بلکہ وجود کو جاننے، اُسے منظم کرنے اور اُس کی حقیقت کو پانے کا واحد مستند علمی راستہ ہے۔

تیسرا باب

تصورات اور حِسی ادراک

ہم دنیا کو کیسے سمجھتے ہیں؟

کیا آپ نے کبھی اِس بات پر غور کیا ہے کہ جب آپ اپنے سامنے ایک لہلہاتا ہوا درخت دیکھتے ہیں، تو آپ کا ذہن صرف اُس ایک لکڑی اور پتوں کے ڈھیر تک محدود نہیں رہتا؟ آپ کے شعور میں فوری طور پر "درخت" کا ایک عمومی اور عالمگیر خیال بیدار ہو جاتا ہے۔ یہ عمل بظاہر جتنا سادہ معلوم ہوتا ہے، انسانی ادراک کی بنیادیں اُتنی ہی گہری ہیں۔ ہمارا ذہن مادی دنیا کی ٹھوس اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اُن کے پیچھے چھپے ہوئے تجریدی خیالات تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ ارسطو کی فکر ہمیں یہی سمجھاتی ہے کہ انسانی شعور کس طرح حواس کی محدود دنیا سے نکل کر عقل کی آفاقی بلندیوں تک کا سفر طے کرتا ہے۔ آیئے! سب سے پہلے اُس ابتدائی قدم کو سمجھتے ہیں، جو ہم دنیا کو جاننے کے لیے اٹھاتے ہیں، یعنی "دیکھنا اور محسوس کرنا"۔

ارسطو کے نظامِ فکر میں علم کا پہلا دروازہ ایستھیسس (Aisthēsis) یعنی "حِسی ادراک" ہے۔ یہ وہ قوت ہے، جس کے ذریعے ہم اپنے حواس (دیکھنا، چھونا، سننا) کو بروئے کار لا کر مادی دنیا کا براہِ راست تجربہ کرتے ہیں۔ ارسطو واضح کرتا ہے کہ ایستھیسس کا تعلق صرف "جزئیات" (Particulars) سے ہے، یعنی وہ انفرادی چیزیں، جو ایک مخصوص وقت اور جگہ میں قید ہوتی ہیں۔ جزئیات کی مثالیں یوں ہیں؛

1۔ آپ کے باغ کے گوشے میں لگا ہوا آم کا مخصوص درخت۔

2۔ وہ خاص لکڑی کی کرسی، جس پر آپ اِس وقت براجمان ہیں۔

3۔ آپ کے ہاتھ میں موجود ایک خاص قلم۔

ایستھیسس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ "فوری" اور "عارضی" ہوتا ہے۔ یہ ہمیں صرف یہ بتاتا ہے کہ "اِس وقت یہ چیز یہاں موجود ہے"۔ یہ ہمیں انفرادی چیزوں کے مشاہدے تک تو محدود رکھتا ہے، لیکن اُن کی دائمی حقیقت سے پردہ نہیں اٹھا سکتا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِن بکھری ہوئی انفرادی چیزوں سے ہم عمومی سچائیوں تک کیسے پہنچتے ہیں، جو کبھی نہیں بدلتی؟ یہیں سے لوگوس (Logos) کا عظیم الشان کردار

شروع ہوتا ہے۔ ارسطو کی مابعد الطبیعیات (کتابِ ہفتم) کے مطابق لوگوس سے مراد محض زبان یا الفاظ نہیں، بلکہ یہ انسانی عقل اور تصور کی وہ قوت ہے، جو مادے کے پیچھے چھپی حقیقت کو گرفت میں لیتی ہے۔ جہاں ایستھیسس کا تعلق جزئیات سے تھا، وہیں لوگوس کا تعلق "کُلیات" (Universals) سے ہے۔ جب ہماری عقل مختلف "جزئیات" (مثلاً بیسیوں الگ الگ درختوں) کا مشاہدہ کر لیتی ہے، تو یہ تمام انفرادی مثالوں سے اُن کے مادی فرق (رنگ، قد، وزن) کو "کرید کر" الگ کر دیتی ہے اور ایک ایسا مشترک جوہر یا تصور تشکیل دیتی ہے، جو ہر درخت پر صادق آسکے۔ اِسے "کُلی" (Universal) کہا جاتا ہے۔ لوگوس ہی وہ قوت ہے، جو ہمیں اِس قابل بناتی ہے کہ ہم ایک فانی اور مخصوص درخت کو دیکھ کر "شجر" کی عالمگیر اور لازوال حقیقت کو سمجھ سکیں۔ آیئے! اِن دونوں تصورات کے فرق کو مزید گہرائی سے سمجھنے کے لیے تقابلی جائزے پر غور کرتے ہیں۔

ایستھیسس بمقابلہ لوگوس

خصوصیت (Feature)	ایستھیسس (Aisthēsis)	لوگوس (Logos)
بنیادی تعلق	جزئیات (انفرادی اشیاء:Particulars)	کُلیات (عمومی تصورات:Universals)
ذریعہ	جسم اور حواس (Sōma)	ذہن اور عقل (Nous)
نوعیت	وقتی، مادی اور مخصوص مشاہدہ	دائمی، عقلی اور عالمگیر ادراک
دائرۂ کار	"یہ کیا ہے اور کہاں ہے؟" (محدود)	"اِس کی حقیقت اور تعریف کیا ہے؟" (وسیع)

اس واضح فرق کے باوجود، ایک طالبِ علم کے ذہن میں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ کیا انسان کے اندر یہ دو الگ الگ وجود کام کر رہے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نظام ایک ہی انسانی وجود میں باہم پیوست ہیں۔

ذہن (Nous) اور جسم (Sōma): ارسطو کی کتابِ ہفتم کا ایک نہایت ہی دقیق اور اہم نکتہ "ذہن" اور "جسم" کا باہمی تعلق ہے۔ اِس باریک فرق کو توجہ سے سمجھیں، کیونکہ یہی انسانی روح کی وحدت کا راز ہے۔
مقام کا اتحاد (Spatial Unity): ارسطو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ذہن (Nous) اور جسم (Sōma) جگہ کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ذہن جسم سے الگ کسی اَور مکان میں مقیم ہو۔ انسان ایک مکمل اکائی ہے، اور جہاں جسم ہے، وہیں اُس کی عقلی قوتیں بھی موجود ہیں۔
تصوراتی فرق (Conceptual Distinction): ارسطو یہاں ایک اہم یونانی اصطلاح استعمال کرتا ہے، یعنی "kata logon"۔ اِس کا مطلب ہے کہ اگرچہ یہ دونوں ایک ہی جگہ موجود ہیں، لیکن اگر ہم اِنہیں "تعریف اور استدلال کے اعتبار سے" (according to definition/reasoning) دیکھیں، تو یہ الگ الگ ہیں۔

یہ فرق اِس لیے ضروری ہے تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ جسم کا کام صرف مادی اثرات کو قبول کرنا ہے، جبکہ ذہن کا کام اُن اثرات کو معنی دینا اور اُن سے سچائیاں کشید کرنا ہے۔ یہ اتحاد اور فرق ہی انسان کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔ علم کی ابتدا ہمیشہ "جزئیات" (مخصوص مادی اشیاء) سے ہوتی ہے، لیکن اُس کی تکمیل "کُلیات" (عالمگیر تصورات) پر ہوتی ہے۔ "ایستھیسس" ہمیں دنیا کے ساتھ مادی طور پر جوڑتا ہے، جبکہ "لوگوس" ہمیں اِس کائنات کے معنی سمجھاتا ہے۔ اِن دونوں میں سے کسی ایک کا انکار انسانی ادراک کو ادھورا کر دیتا ہے۔ محسوس کرنا اور سوچنا، دونوں ہی علم کے دو بازو ہیں۔ انسانی وجود کی وحدت اگرچہ جسم (Sōma) اور ذہن (Nous) کے افعال الگ ہیں، لیکن ارسطو ہمیں سکھاتا ہے کہ انسان ایک مربوط اکائی ہے۔ فلسفے کا مقصد اِس اتحاد کو سمجھنا ہے تاکہ ہم اپنی جسمانی حِسیت اور عقلی قوت کے درمیان ایک توازن پیدا کر سکیں۔ ارسطو کے نزدیک "روح" (Psyche) کوئی ایسی ماورائی یا پُراسرار ہستی نہیں ہے، جو مادی بدن سے کُلی طور پر جدا ہو، بلکہ یہ انسانی وجود کی ساخت اور اُس کے افعال کا ایک مربوط "وظائفی ڈھانچہ" (Functional Framework) ہے۔ ارسطو کا نظامِ فکر انسانی فطرت کو سمجھنے کے لیے "لوگوس" (Logos) یعنی عقل اور منطق کو مرکزی حیثیت دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک انسانی زندگی کا مطالعہ دراصل اُن قوتوں کا مطالعہ ہے، جو ہمارے ارادوں اور افعال کو منظم کرتی ہیں۔ ارسطو کے نزدیک روح کی اصل حقیقت اُس کے وظائف کی

تقسیم میں ہے، جیسا کہ وہ کہتا ہے: "روح (Psyche) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ، جو لوگوس (عقل) رکھتی ہے، اور دوسری وہ، جو بے عقل (Alogon) ہے"۔

انسانی فطرت کی گہرائیوں اور اخلاقی کمال کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب سے پہلے روح کی اِس بنیادی تقسیم کا ادراک کریں، جو عقل اور غیر عقلی جبلتوں کے مابین ایک واضح لکیر کھینچتی ہے۔ ارسطو نے انسانی روح کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ تقسیم قدیم عقلیت پسندی (Rationalism) کا نقطۂ آغاز ہے، کیونکہ یہ واضح کرتی ہے کہ انسانی شخصیت کا ایک حصہ شعوری استدلال کا مرکز ہے، جبکہ دوسرا حصہ محض حیاتیاتی جبلتوں کے تابع ہے۔

روح کی بنیادی تقسیم

خصوصیت	لوگوس والا حصہ (Rational Part)	بے عقل حصہ /Alogon (Irrational Part)
تعریف	وہ حصہ، جو شعور، منطق اور عقل کا حامل ہے	وہ حصہ، جو عقل اور منطقی استدلال سے محروم ہے
بنیادی وظیفہ	شعوری فیصلے کرنا، منصوبہ بندی اور حقائق کو پرکھنا	غیر شعوری افعال، جبلتوں اور خواہشات کی تسکین
دیگر حیوانات سے تعلق	یہ حصہ صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہے (منطقی حیوان)	یہ حصہ انسانوں اور دیگر حیوانات دونوں میں مشترک ہے
مثال یا نمونہ	اخلاقی فیصلہ سازی، ریاضیاتی سوچ اور عدل و انصاف	بھوک، پیاس، خوف اور اضطراری کیفیات و حرکات

یہ امتیاز محض علمیاتی نہیں، بلکہ عملی ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا اصل حُسن اُس کے "عقلی حصے" کے غلبے میں ہے، کیونکہ یہی وہ جوہر ہے، جو اُسے کائنات کے دیگر جانداروں سے ممتاز کرتا ہے۔

تاہم ارسطو اِس عقلی حصے (Logos) کے اندر بھی ایک مزید لطیف اور گہری تقسیم بیان کرتا ہے۔ وہ عقل کے حامل حصے کو محض ایک یک رنگ اکائی کے طور پر نہیں دیکھتا، بلکہ اُسے دو عملی شاخوں میں تقسیم کرتا ہے۔ اِس پیچیدہ تصور کو ایک تعلیمی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً ایک "استاد"، جو علم پیدا کرتا ہے اور اصول وضع کرتا ہے، اور ایک "طالبِ علم" جو اُن اصولوں کی صداقت کو سمجھتے ہوئے اُن پر عمل کرتا ہے۔

عقل (Logos) کی وہ دو شاخیں یہ ہیں؛

اطاعت گزار عقل (Obedient Logos): یہ روح کا وہ حصہ ہے، جو بذاتِ خود اصول وضع نہیں کرتا، لیکن عقل کے بتائے ہوئے احکامات اور منطقی دلائل کو سمجھنے اور اُن کی پیروی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ جبلتوں کو قابو میں رکھنے کے لیے "لوگوس" کی رہنمائی قبول کرتا ہے۔

تخلیقی و مفکر عقل (Creative/Originating Logos): یہ عقل کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے، جسے ارسطو حقیقی "عقلی جوہر" قرار دیتا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے، جو نہ صرف منطق کو سوچتا (Thinks) ہے، بلکہ اُسے پیدا (Produces) بھی کرتا ہے۔ یہ فکرِ محض کا مرکز ہے، جو نئے افکار، قوانین اور علمی حقائق کو جنم دیتا ہے۔

یہ تقسیم ظاہر کرتی ہے کہ انسانی کمال صرف "باشعور پیروکار" ہونے میں نہیں، بلکہ اُس "تخلیقی فکر" کو بیدار کرنے میں ہے، جو حقائق کی تہہ تک پہنچ کر نئے راستے متعین کرتی ہے۔ ارسطو کی جانب سے کی گئی روح کی یہ تقسیم انسانی شخصیت کے ارتقاء کے لیے تین کلیدی نتائج فراہم کرتی ہے؛

1۔ **عقل کی حاکمیت:** انسانی روح کی پہچان اور اُس کا شرف صرف "لوگوس" (عقل) کی موجودگی سے ہے، جو اُسے جبلتوں پر مبنی زندگی سے بلند کرتا ہے۔

2۔ **فکر اور عمل کا تسلسل:** عقل کے دو پہلو ہیں، ایک وہ، جو اعلیٰ اصولوں کی اطاعت کرتا ہے اور دوسرا وہ، جو اُن اصولوں کو تخلیق کرتا ہے۔ ایک متوازن شخصیت کے لیے دونوں کا فعال ہونا ناگزیر ہے۔

3۔ **انسانیت کا نصب العین (Telos):** قدیم عقلیت پسندی کے مطابق انسانی زندگی کا منتہائے مقصود روح کے بلند ترین حصے یعنی "تخلیقی و مفکر عقل" کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے، کیونکہ یہی انسان کا حقیقی وظیفہ ہے۔

ارسطو کی اِن تقسیمات کو سمجھنا خود شناسی اور اپنی ذات پر قابو پانے کی جانب پہلا قدم ہے۔ انسانی فضیلت اور حقیقی کمال یہ نہیں کہ ہم صرف قوانین کی پیروی کریں، بلکہ یہ ہے کہ ہم اُس "تخلیقی عقل" کو بیدار کریں، جو اِن قوانین کے پیچھے چھپی منطق اور حقیقت کا ادراک رکھتی ہے۔

چوتھا باب

لوگوس کی دوہری فطرت

رواقی فلسفے کے فکری نظام میں "لوگوس" ایک لسانی اکائی یا ابلاغی وسیلہ ہی نہیں، بلکہ یہ انسانی شعور اور کائناتی ڈھانچے کے مابین ایک ناگزیر مابعد الطبیعیاتی توسل کے طور پر ابھرتا ہے۔ علمی و لسانیاتی تناظر میں لوگوس کا تصور ایک ایسی ہمہ گیر حقیقت ہے، جو بیک وقت انسانی عقل کی گہرائیوں اور کائنات کی جوہری ساخت کا احاطہ کرتی ہے۔ رواقی دبستانِ فکر کے نزدیک لوگوس ایک طرف تو قوتِ متفکرہ (dianoia) سے جنم لینے والا ایک نطق ہے، اور دوسری طرف یہ کائنات کا وہ "اصولِ ترتیب" (ordering principle) ہے، جو مادہ کو معنویت اور ہیئت عطا کرتا ہے۔ انسانی کلام کی اِس نحوی ترتیب اور کائناتی نظم کے درمیان پایا جانے والا تلازمہ اِس بصیرت پر مبنی ہے کہ انسانی جملے کی ساخت دراصل کائناتی کُل کے منظم ڈھانچے کا ایک صغیر نمونہ (Microcosm) ہے، جو ہمیں محض لسانیات سے ماوراء ایک وسیع تر کائناتی اطلاق کی طرف لے جاتا ہے۔

رواقی لسانیات میں فکر اور بیان کے مابین تعلق محض اتفاقی نہیں، بلکہ عضویاتی ہے۔ اُن کے نزدیک زبان عقل کا وہ خارجی پیکر ہے، جو ایک منظم صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ لوگوس کی تعریف محض "آواز" سے نہیں، بلکہ اُس کی معنویت اور عقل سے وابستگی سے کی جاتی ہے۔ رواقیوں کے مطابق "لوگوس وہ بامعنی صدا ہے، جو عقل (dianoia) سے خارج ہوتی ہے، اور واضح طور پر ادا کی گئی بامعنی آواز ہے"۔ یہاں عقل کے باطنی عمل اور اُس کے خارجی اظہار کے فرق کو چند نکات میں سمجھا جاسکتا ہے؛

1۔ **قوتِ متفکرہ (Internal Faculty):** یہ وہ باطنی عمل ہے، جہاں خیالات ترتیب پاتے ہیں۔ اِسے لوگوس کا وہ پہلو قرار دیا جاسکتا ہے، جو ہنوز صوتی قید سے آزاد مگر منطقی ترتیب سے لیس ہوتا ہے۔

2۔ **خارجی نطق (Externalized Result):** یہ عقل کا مادی دنیا میں ظہور ہے، جہاں "واضح طور پر ادا کی گئی بامعنی آواز" فکر کو ایک حسّی وجود عطا کرتی ہے۔

3۔ **عملی اشتراک:** اِن دونوں کا ملاپ اِس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ انسانی نطق محض صوتی ارتعاش نہیں، بلکہ شعور کا ایک منظم پھیلاؤ ہے، جو ابلاغ کی صلاحیت رکھتا ہے۔

انسانی کلام کا یہ با قاعدہ اور استدلالی ڈھانچہ اِس امر کی دلیل بنتا ہے کہ عقل محض انسانی خاصہ نہیں، بلکہ کائنات کے وسیع تر تناظر میں بھی یہی "منطق" یا اصولِ ترتیب کار فرما ہے۔ رواقیوں نے لوگوس کے تصور کو لسانی حدود سے نکال کر اُسے ایک "باطنی اصولِ ترتیب" (Immanent Ordering Principle) کے طور پر کائنات کی اساس تسلیم کیا۔ اِس مابعد الطبیعیاتی مؤقف کی بنیادیں قدیم فلسفی ہراکلیتس (Heraclitus) کی فکر سے ماخوذ ہیں، جس کی طرف رواقی اِس تصور کو منسوب کرتے ہیں۔ ہراکلیتس کے ہاں کائنات ایک تغیر پذیر حقیقت تھی، جسے لوگوس کا قانون ایک لڑی میں پروتا تھا۔ رواقیوں نے اُسی قدیم تصور کو اپنے نظام میں ضم کرتے ہوئے اُسے ایک فعال اور متحرک حقیقت کے طور پر پیش کیا۔ لوگوس یہاں محض ایک جامد نظریہ نہیں، بلکہ ایک ایسی "ترتیب دینے والی قوت" ہے، جو کائنات کے ذرّے ذرّے میں سرایت کیے ہوئے ہے (Pervasive Force)۔ یہ مادی دنیا کو عدمِ ترتیب سے نکال کر ایک معین نظم و ضبط کا پابند بناتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے، جہاں انسانی عقل اور کائناتی عقل ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوتی ہیں، اور اِسی ترتیب کے کائناتی نفوذ کو سمجھنے کے لیے رواقیوں نے ایک مخصوص میکانزم متعارف کروایا۔

کائنات میں زندگی، نمو اور کائناتی ہم آہنگی کے پھیلاؤ کی وضاحت کے لیے رواقیوں نے "بیج نما لوگوس" (Spermatikoi Logoi) کا تصور پیش کیا۔ یہ تصور دراصل اُس "اصولِ ترتیب" کا عملی اور منطقی نظام ہے، جس کے ذریعے کائناتی عقل مادے کے اندر نفوذ کرتی ہے۔ جس طرح ایک حیاتیاتی بیج (Sperma) کے اندر پورے درخت کی نشوونما کا نقشہ اور قوتِ متفکرہ کا نچوڑ موجود ہوتا ہے، اُسی طرح یہ بیج نما لوگوس کائنات کی مابعد الطبیعیاتی اساس کے طور پر کام کرتے ہیں، تاکہ امکان (Probability) کو حقیقت (Actuality) میں بدلا جاسکے۔ اِس میکانزم کے فعال مراحل یہ ہیں؛

1۔ کائناتی نفوذ (Cosmic Pervasion): لوگوس انفرادی بیجوں کی صورت میں پوری کائنات کے بنیادی ڈھانچے میں سرایت کر جاتا ہے، جس سے مادہ معنویت اختیار کرتا ہے۔

2۔ تخلیقی تشکیل (Creative Formulation): یہ بیج نما لوگوس مختلف مادی صورتوں کی نمو اور اُن کی مخصوص ماہیت کی تشکیل کے ذمہ دار ہوتے ہیں، جو کائنات میں تنوع کے باوجود وحدت برقرار رکھتے ہیں۔

3۔ غائی نظم وضبط (Teleological Order): پھیلاؤ کا یہ عمل اِس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کائنات کا ہر جزو اپنے مخصوص "لوگوس" کے تابع رہ کر مجموعی کائناتی مقصدیت میں اپنا حصہ ڈالے۔

یہ میکانزم رواقی مابعد الطبیعات کو ایک ایسا ٹھوس ڈھانچہ فراہم کرتا ہے، جہاں کائنات کا ذرّہ ذرّہ ایک عقلِ کُل کے تابع اور باقاعدہ ترتیب کا مظہر دکھائی دیتا ہے۔ رواقیوں کا "لوگوس" کا تصور لسانیات کے عام فہم مطالعے سے شروع ہو کر کائنات کی گہری ترین مابعد الطبیعیاتی حقیقتوں پر محیط ہے۔ اِس فکر کا ارتقائی سفر (یعنی ایک "بامعنی آواز" سے کائنات کو ترتیب دینے والے "باطنی اصول" تک کی منتقلی) یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانی عقل دراصل کائناتی عقل ہی کا ایک پرتَو ہے۔ رواقیوں نے زبان کے صوتی آہنگ کو کائنات کے منطقی آہنگ سے ہم آہنگ کر کے یہ واضح کیا کہ جو ترتیب ہماری فکر میں ہے، وہی کائنات کے قوانین میں رواں دواں ہے۔ رواقیوں نے لسانی حرکیات اور مابعد الطبیعیاتی حقائق کے درمیان موجود خلیج کو مٹا کر ایک ایسے وِجدانی اور عقلی نظام کی بنیاد رکھی، جہاں عقل، نطق اور کائنات ایک ہی حقیقتِ کبریٰ کے مختلف مظاہر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

پانچواں باب

فایلو، لوگوس اور تثلیث

تاریخی الٰہیات (Historical Theology) اور اسکندریہ کے فکری دبستان کے تناظر میں فایلو اسکندروی (Philo of Alexandria) ایک عبقری شخصیت تھا، جس نے یونانی فلسفے کی عقلیت اور اسرائیلی وحی کے الہامی تصورات کے مابین پہلا باضابطہ مابعد الطبیعیاتی پُل تعمیر کیا۔ فایلو کی اہمیت محض ایک مفسر کی نہیں، بلکہ ایک ایسے معمار کی ہے، جس نے "لوگوس" (Logos) کے تصور کو الٰہیاتی نظام کے مرکزی ستون کے طور پر متعارف کرایا۔ اُس کا بنیادی مقصد ذاتِ باری تعالیٰ کی مطلق پاکیزگی اور کائنات کی مادی کثافت کے درمیان پائے جانے والے منطقی تضاد کو حل کرنا تھا۔ فایلو کے نزدیک خالق اور مخلوق کے درمیان براہِ راست تعلق کے بجائے ایک ایسے وسیط جوہر کی ضرورت تھی، جو الٰہی ارادے کو مادی دنیا میں نافذ کر سکے۔ یہی وہ فکری بنیادیں تھیں، جنہوں نے بعد ازاں ابھرنے والے پیچیدہ مذہبی عقائد اور مابعد الطبیعیاتی ڈھانچوں کے لیے ایک ابتدائی خاکہ (Prototype) فراہم کیا۔

فایلو کے نظامِ فکر میں "خدا کی ماورائیت" (Transcendence) محض ایک صفت نہیں، بلکہ ایک الٰہیاتی ضرورت ہے۔ اُس کے نزدیک ذاتِ حق "واحد" (The Monad) ہے، جو ہر قسم کی تبدیلی، تقسیم اور مادی ملاوٹ سے منزہ ہے۔ اگر خدا کا مادہ سے براہِ راست تعلق تسلیم کر لیا جائے تو اُس کی صفتِ "عدمِ تغیر" (Immutability) متاثر ہوتی ہے۔ اِسی نکتے پر فایلو اپنے عہد کے مقبول "رواقی فلسفے" سے مکمل انحراف کرتا ہے۔ جہاں رواقی مفکرین خدا کو کائنات کے اندر سرایت شدہ (Immanent) ایک مادی روح قرار دیتے تھے، وہاں فایلو اُسے کائنات سے کُلی طور پر جدا اور بلند تسلیم کرتا ہے۔ آیئے! ایک جدول کے ذریعے فایلو کے تصورِ خدا اور رواقی نظریات کے بنیادی فرق کو واضح کرتے ہیں؛

فلسفیانہ پہلو	فایلو کا تصورِ الٰہ (نظریہ ماورائیت)	رواقی نظریہ (نظریہ حلولیت)
خدا کا مقام	خدا کائنات سے کلی طور پر "ماورا" اور برتر ہے	خدا کائنات کی روح کی طرح اس کے اندر موجود ہے

تعلقِ کائنات	مادہ اور خدا کے درمیان وساطت ناگزیر ہے	کائنات اور خدا کے درمیان ایک مادی و فطری اتحاد ہے
ماہیت	ذاتِ الٰہی ہر قسم کے تغیر اور کثافت سے پاک ہے	خدا کو کائنات کے نظام کا ایک فعال مادی حصہ مانا جاتا ہے

خدا کو "ماورا" (Transcendent) قرار دینے کا گہرا اثر یہ ہوا کہ ایک مابعد الطبیعیاتی خلا پیدا ہو گیا۔ فایلو کے نزدیک لامحدود اور محدود کے درمیان براہِ راست ملاپ ناممکن تھا، کیونکہ کثیف مادہ لطیف ذاتِ حق کے لمس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اِسی فلسفیانہ ضرورت نے ایک ایسے "وسیط جوہر" کی راہ ہموار کی، جو خدا کی پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے کائنات کی تشکیل کر سکے، جسے فایلو نے "لوگوس" کا نام دیا۔ فایلو کے نظام میں لوگوس محض ایک تجریدی اصطلاح نہیں، بلکہ مابعد الطبیعیاتی مشینری کا وہ "فعال انجن" ہے، جو الٰہی ارادے کو وجود کی صورت عطا کرتا ہے۔ فایلو لوگوس کو دوہری حیثیت میں پیش کرتا ہے، جو بیک وقت خدا کے باطنی اور خارجی اظہار کا ذریعہ بنتا ہے، مثلاً؛

فکرِ الٰہی (Divine Thought): یہ لوگوس کی وہ صورت ہے، جس میں وہ باری تعالیٰ کے ذہن میں موجود کائنات کا مثالی نقشہ یا "عقلی ڈھانچہ" ہے۔

قوتِ الٰہی (Divine Power): یہ وہ فعال طاقت ہے، جو اِس مثالی نقشے کو مادی جامہ پہناتی ہے اور کائنات میں نظم وضبط قائم رکھتی ہے۔

وسیط کی اہمیت: لوگوس کا بحیثیتِ "وسیلہ" (Mediator) کردار اِس لیے کلیدی ہے، کیونکہ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کے "عدمِ تغیر" کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ لوگوس وہ آئینہ ہے، جس میں خدا کا فیض منعکس ہو کر مادی دنیا تک پہنچتا ہے، بجائے اِس کے کہ خدا کی اپنی ذات مادی تغیرات سے متاثر یا آلودہ ہو۔

یہ وسیط ایک ایسے "Buffer" کا کام کرتا ہے، جو کامل وحدت (God) اور کثیر مادی دنیا (Universe) کے درمیان خلیج کو پُر کرتا ہے۔ یہی لوگوس جب مادے میں ترتیب پیدا کرتا ہے، تو وہیں سے "کائناتی روح" کے ظہور کی بنیاد پڑتی ہے۔ مذہبی فکر کی تاریخ میں فایلو کی جانب سے پیش کردہ یہ سہ گانہ یا "تثلیث نما (Proto-Trinity) ساخت ایک اہم سنگِ میل ہے۔ یہ درجہ بندی وجود کے مختلف مراتب کو

ایک منطقی لڑی میں پروتی ہے، جس سے الٰہی فیضان کے بہاؤ کو سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اِس ساخت کے تین بنیادی اجزاء ہیں؛

1۔ **ذاتِ واحد**(The Monad/God): یہ درجہ بندی میں سب سے بلند مقام ہے۔ وہ ہستی، جو تمام وجود کا منبع ہے، مگر خود انسانی ادراک اور مادی رشتوں سے ماورا ہے۔

لوگوس(The Logos): یہ خدا کا پہلا صادر ہونے والا جوہر ہے، جو خدا کی فکر اور قوت کا حامل ہونے کی بنا پر خالق اور مخلوق کے درمیان پُل کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

روحِ کائنات(World Soul): یہ وہ تیسرا درجہ ہے، جو لوگوس کے ذریعے الٰہی فیض حاصل کر کے مادی کائنات کو زندگی، حرکت اور ترتیب عطا کرتا ہے۔ یہ لوگوس کے تنظیمی عمل کا براہِ راست نتیجہ ہے۔

اِس نظام میں طاقت اور فیضان کا بہاؤ ایک مرتب درجہ بندی(Hierarchy of Being) کے تحت ہوتا ہے۔ فیض کی لہر "واحد" سے نکلتی ہے، "لوگوس" میں مرتکز ہوتی ہے، اور "روحِ کائنات" کے ذریعے پوری مادی دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ ہر نچلا درجہ اپنے سے اعلیٰ درجے کا عکس ہے، مگر اُس کی شدت میں بتدریج کمی آتی جاتی ہے۔ یہ ڈھانچہ بعد کی مابعد الطبیعیاتی اور الٰہیاتی تعمیر کے لیے ایک واضح نقشِ راہ ثابت ہوا۔ فایلوِ اسکندروی کی علمی میراث کا نچوڑ اُس فلسفیانہ ہم آہنگی میں ہے، جو اُس نے قدیم فلسفے اور الہامی عقائد کے درمیان پیدا کی۔ اُس کی فکر نے مابعد الطبیعیات کو ایک ایسا ڈھانچہ دیا، جس میں خدا کی عظمت اور کائنات کی تفہیم بیک وقت ممکن ہوئی۔ اُس کے نظام کے تین اہم ترین فکری حاصلات یہ ہیں؛

1۔ **وجودتی بُعد**(The Ontological Gap): یہ ادراک کہ خدا اور کائنات کے درمیان ایک مابعد الطبیعیاتی دوری ناگزیر ہے، تاکہ خدا کی مطلق پاکیزگی اور وحدانیت پر حرف نہ آئے۔

2۔ **صدور کا میکانزم**(Mechanism of Emanation): لوگوس کو ایک فعال واسطے کے طور پر پیش کرنا، جو خدا کے غیر مادی ارادے کو مادی حقیقت میں تبدیل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

3۔ **مابعد الطبیعیاتی تسلسل** (Metaphysical Continuity): ایک منظم درجہ بندی (یعنی "خدا-لوگوس-روح") کی تشکیل، جس نے ثابت کیا کہ کائنات اتفاقیہ نہیں، بلکہ ایک باقاعدہ الٰہی فیضان کے سلسلے کا نتیجہ ہے، جس نے مستقبل کے مذہبی نظاموں کے لیے فکری بنیادیں فراہم کیں۔

مجسم لوگوس–فائیلواور انجیلِ یوحنا:

علمِ الٰہیات اور ہیلانیاتی (Hellenistic) فلسفے کے عمیق مطالعے میں "لوگوس" (Logos) کا تصور محض ایک لفظ نہیں، بلکہ ایک ایسا مابعد الطبیعیاتی پُل ہے، جو عالمِ ماورا (Transcendental) اور عالمِ مظاہر (Phenomenal) کے مابین حائل خلیج کو پاٹتا ہے۔ تاریخی طور پر اِسے "کائناتی عقل" (Cosmic Rational Principle) کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، یعنی وہ آفاقی ضابطہ، جو مادی کائنات کی کثرت میں وحدت اور معنویت پیدا کرتا ہے۔ ایک نظام پرست ماہرِ الٰہیات کے لیے اِس ڈھانچے کی تزویراتی اہمیت یہ ہے کہ یہ مجرد عقلی استدلال کو الٰہیاتی سچائیوں کے مادی ظہور سے مربوط کرنے کا واحد علمی ذریعہ فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ فکری بنیاد تھی، جسے یوحنا نے نہایت مہارت سے اپنایا تاکہ مسیح کی لافانی حقیقت کو ایک عالمگیر اور عمرانی تناظر میں پیش کیا جاسکے۔

یوحنا کی انجیل کے مصنف نے اپنے پیغام کی آفاقیت کو مستحکم کرنے کے لیے اسکندریہ کے فائیلو (Philo) کے وضع کردہ ہیلانی یہودی امتزاجی فلسفے کو پوری طرح استعمال کیا۔ فائیلو نے یونانی فلسفے اور عبرانی صحائف کے درمیان جو علمیاتی ہم آہنگی پیدا کی تھی، یوحنا نے اُسی ڈھانچے کو اپنے بیانیے کے لیے منتخب کیا۔ یہ محض اصطلاحات کا تبادلہ نہیں تھا، بلکہ ایک ہمالیاتی علمیاتی منتقلی (Himalayan Epistemological Shift) تھی، جہاں فائیلو کا لوگوس، جو خدا اور دنیا کے درمیان ایک فاصلہ برقرار رکھنے والا واسطہ تھا، یوحنا کے ہاں خدا کو انسانیت کے قریب لانے کا وسیلہ بن گیا۔

یوحنا نے فائیلو کے "کائناتی عقل" کے ڈھانچے کو اِس لیے اپنایا تاکہ مسیح کی شخصیت کو اُس وقت کے وسیع تر علمی اور فلسفیانہ سامعین کے لیے قابلِ فہم بنایا جاسکے۔ لوگوس کے ذریعے ایک ایسی تاریخی شخصیت کو متعین کیا گیا، جو کائنات کے ازلی نظم وضبط کی حامل تھی۔ یوحنا نے اِس ڈھانچے کو استعمال کرتے ہوئے ایک مجرد اصول کو ملموس تاریخ پر منطبق کردیا، جو کہ ایک انقلابی الٰہیاتی قدم تھا۔ یہ انتخاب یوحنا 1:1 میں ایک ایسی وجودی بنیاد فراہم کرتا ہے، جہاں لوگوس کی ماہیت کو سہ جہتی پیمانے پر پرکھا جاسکتا ہے۔ یوحنا 1:1 کا سہ رُخی ڈھانچہ لوگوس کی وجودی (Ontological) حقیقت کو متعین کرنے کے لیے کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ترتیب محض بیانیہ نہیں، بلکہ ایک منظم الٰہیاتی دعویٰ ہے؛

1۔ لوگوس کی قدامت(Pre-existence): "ابتدا میں لوگوس تھا"۔ یہ بیان لوگوس کی وقت پر فوقیت اور اُس کی ازلی حیثیت کو ثابت کرتا ہے، جو اُسے تخلیق شدہ کائنات سے ماورا قرار دیتا ہے۔

2۔ لوگوس کی رفاقت(Active Fellowship): "لوگوس خدا کے ساتھ تھا"۔ یہاں یونانی تصورِ رفاقت (pros) ایک فعال، روبرو اور باہمی تعلق کی عکاسی کرتا ہے، جو محض قربت نہیں، بلکہ ایک گہری شخصی رفاقت ہے۔

3۔ لوگوس کی ماہیت (Essence/Nature): "لوگوس خدا تھا"۔ یہ حتمی اعلان فایلو کی اُس افلاطونی ثنویت(Platonic Dualism) کو پاش پاش کر دیتا ہے، جہاں لوگوس کو خدا سے کم تر درجہ دیا جاتا تھا۔

یہاں لوگوس ایک "اصول" کے درجے سے بلند ہو کر ایک ایسی الٰہی ہستی کے طور پر سامنے آتا ہے، جو خدا کے ساتھ ازلی رفاقت میں شریک ہے۔ یہیں سے وہ مرحلہ شروع ہوتا ہے، جہاں یہ لافانی لوگوس انسانی تاریخ کی مادی محدودات میں داخل ہوتا ہے۔ یوحنائی فکر کی سب سے بڑی مابعد الطبیعیاتی جَست "تجسم" (Incarnation) کا تصور ہے، جو یونانی فلسفے کے لیے ایک عقلی ٹھوکر یا فلسفیانہ فتنہ (Philosophical Scandal) کی حیثیت رکھتا تھا۔ "لوگوس مجسم ہوا اور ہمارے درمیان رہا" (یوحنا 1: 14) کا اعلان کائناتی عقل کے گوشت پوست (Sarx) بننے کا اعلان ہے۔ یہ عمل "کائناتی عقل" (جو کہ ایک تجریدی اصول تھا) اور "تاریخی یسوع" (جو کہ ایک ملموس اور مادی حقیقت ہے) کے درمیان پائے جانے والے دوئی کے تصور کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ "عقلی اصول کا مادی اظہار" ہے، جہاں کائنات کا وہ معمار، جس کی تلاش میں یونانی فلسفی سرگرداں تھے، انسانی تجربے کا حصہ بن گیا۔ اِس طرح فلسفہ اور تاریخ کا حسین امتزاج یسوع کی ذات میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ یسوع مسیح کائناتی عقل اور بشری تاریخ کے حتمی اور مستند سنگم کا نام ہے۔ یوحنا نے فایلو کے فلسفیانہ آلات کو نہ صرف استعمال کیا، بلکہ اُنہیں مسیح کے وجود میں نئے معنیٰ عطا کیے۔

اِس جائزے سے تین نتائج نمایاں طور پر اخذ ہوتے ہیں؛

1۔ وجودیاتی یگانگت: یسوع وہی ازلی لوگوس ہے، جو کائنات کی تخلیق کا بنیادی محرک اور اُس کی معنویت کا ضامن ہے۔

2۔ تجسم کی انفرادیت: لوگوس کا مادی وجود اختیار کرنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ الٰہی حقیقت اب انسانی تاریخ کے اندر سے ہی دریافت کی جا سکتی ہے۔

3۔ **فلسفیانہ تکمیل:** یوحنا کی شہادت کے مطابق "یسوع کو کائناتی عقل سے مکمل طور پر جوڑا گیا ہے"، جس کا مطلب یہ ہے کہ یونانی تلاشِ حقیقت کا واحد اور قطعی جواب یسوع کی ذات ہے۔

مختصر یہ کہ یسوع مسیح محض ایک اخلاقی معلم یا تاریخی شخصیت نہیں، بلکہ وہ مجسم کائناتی عقل (Logos) ہے، جس کا وجود ازل سے قائم، جس کی رفاقت الوہی اور جس کی ماہیت سراپا الوہیت ہے۔ یوحنا کا بیانیہ فایلو کے فلسفیانہ ڈھانچے کو اُس کی معراج تک پہنچا کر یسوع کو کائنات کے حتمی نظم و ضبط اور انسانیت کی نجات کے طور پر مستحکم کرتا ہے۔

فایلو سے پلوٹینس تک:

تعارف: وجودی ارتقاء کی ضرورت اور اہمیت ہیلینسٹک مابعد الطبیعیاتی فکر کی تاریخ میں وجودی مراتب (Ontological Levels) کی تفہیم ایک مسلسل ارتقائی عمل رہی ہے۔ اس تناظر میں فایلو کے ابتدائی تصورات سے پلوٹینس (Plotinus) کے نظامِ فکر تک کا عبوری مطالعہ اس لیے اہم ہے کہ یہ "عقلِ کل" (نوُس) کی صوری تشکیلِ نو کو واضح کرتا ہے۔ پلوٹینس نے فایلو کے تصورات سے انحراف کرتے ہوئے لوگوس (Logos) کو نوُس (Nous) سے جدا کر کے ایک ایسی مابعد الطبیعیاتی ضرورت کو پورا کیا جو وجودی درجات میں صراحت کی متقاضی تھی۔ اس تقسیم نے نہ صرف ہستی کے ڈھانچے کو از سرِ نو ترتیب دیا بلکہ خالص عقل اور اس کے عملی مظاہر کے درمیان ایک واضح حدِ فاصل قائم کر دی۔ یہ سٹریٹجک تبدیلی فایلو کی روایت میں موجود لوگوس کے مبہم کردار کو ایک منظم اور درجہ وار نظام میں تبدیل کرنے کی جانب پہلا قدم تھی، جو پلوٹینس کے ہاں عقلِ کل کی برتری کو مستحکم کرتی ہے۔

پلوٹینس کے فکری نظام کے پس منظر میں فایلو کا مطالعہ ایک اساسی پیش رو کے طور پر ناگزیر ہے۔ فایلو نے اپنے نظام میں لوگوس کو ایک ہمہ گیر مابعد الطبیعیاتی اصول کے طور پر متعارف کرایا تھا، جسے پلوٹینس نے بعد ازاں ایک وسیع تر اور دقیق ڈھانچے میں ڈھالا۔ فایلو کی روایت میں لوگوس کی حیثیت اِس قدر بنیادی تھی کہ وہ عقل اور اُس کے خارجی اثرات کے مابین امتیاز کو واضح کرنے سے قاصر تھی۔ فایلو کے لوگوس کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں؛

1۔ **عقلی وحدت:** لوگوس کو ایک ایسے واحد اصول کے طور پر دیکھا گیا، جو کائناتی ترتیب کا ذمہ دار ہے۔

2۔ مرکزی واسطہ: یہ برتر وجود اور مادی کثرت کے درمیان ایک بنیادی کڑی کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

3۔ جامعیت: فایلو کے ہاں لوگوس کا تصور عقلِ کُل کے تمام افعال کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

پلوٹینس نے فایلو کی اِس تعریف سے آگے جانا اِس لیے ضروری سمجھا، کیونکہ ایک واحد اصطلاح (لوگوس) کے تحت عقل کی تجریدی حالت اور اُس کے تخلیقی نفاذ کو یکجا کرنا مابعد الطبیعیاتی الجھن کا باعث بن رہا تھا۔ پلوٹینس کا مقصد نوٗس کو ایک خالص وجودی مرتبے پر فائز کرنا تھا، جو محض کائناتی نظم کا آلہِ کار بننے کے بجائے اپنی ذات میں ایک برتر حقیقت کے طور پر پہچانی جائے۔ پلوٹینس نے اپنے مجموعہِ افکار "انیڈ" (Enneads) کی تیسری جلد کے سولہویں حصے میں ایک نہایت اہم اور انقلابی فکری موڑ اختیار کیا۔ یہاں پلوٹینس نے باقاعدہ طور پر لوگوس کو نوٗس (عقلِ کل) سے جداگانہ حیثیت عطا کر کے مابعد الطبیعیاتی دوئی کا خاتمہ کیا۔ اِس علیٰحدگی کا بنیادی مقصد عقلِ کل کی خالص تجریدی حیثیت کو برقرار رکھنا اور لوگوس کو اُس کے ایک ثانوی یا مظہری درجے کے طور پر متعین کرنا تھا۔

نوٗس اور لوگوس

صفت / کردار	فرق
وجودی منصب	نوٗس (عقلِ کُل) اصل اور ماخذ ہے، جبکہ لوگوس اُس سے صادر ہونے والا ایک درجہ ہے
ادراکی نوعیت	نوٗس خالص ادراک اور کُلی علم کی حالت ہے، جبکہ لوگوس اِس علم کی کثرت میں تقسیم اور نفاذ کا نام ہے
درجہ بندی	انیڈ (16:3) کے مطابق نوٗس کا مقام لوگوس سے برتر اور مقدم ہے
عملی حیثیت	نوٗس ایک مستقل حقیقت ہے، جبکہ لوگوس نوٗس کی کائناتی فعالیت یا اُس کا خارجی اظہار ہے

اِس صوری علیٰحدگی نے اُس عہد کے مابعد الطبیعیاتی نظریات میں پلوٹینس کے نظام کو ایک مسابقتی برتری عطا کی۔ اِس تقسیم سے یہ واضح ہوا کہ کائنات کا معقول ڈھانچہ (Logos) دراصل ایک برتر عقلی حقیقت (Nous) کا پرتَو ہے، جس سے وجودی ابہام کا خاتمہ ہوا اور پلوٹینس کی فکر کو ایک منفرد شناخت ملی۔ پلوٹینس کے شاہکار "انیڈ" کی (16:3) کے مطابق لوگوس اور نوس کے درمیان تفریق نے وجودی مراتب (Hierarchy of Being) کو ایک نئی ترتیب دی ہے۔ یہ ترتیب نوس کی فوقیت اور لوگوس کی ثانویت پر مبنی ہے، جو کائناتی ڈھانچے کو زیادہ منطقی بناتی ہے؛

1۔ عقلِ کل (Nous): یہ نظام کا وہ برتر درجہ ہے، جو ہر قسم کی کثرت سے پاک اور خالص علم کا منبع ہے۔ پلوٹینس کے نزدیک یہ لوگوس پر مطلق فوقیت رکھتا ہے۔

2۔ لوگوس (Logos): یہ عقلِ کل سے نکلنے والا وہ فیضان یا عقلی اصول ہے، جو نوس کے کلی حقائق کو کثرت کی دنیا میں نافذ کرتا ہے۔

اِس نئی تشکیل کی اہمیت یہ ہے کہ اِس نے "عقلِ کُل" کے مقام کو بلند کر کے اُسے ایک خود مختار مابعد الطبیعیاتی پرت (Ontological Layer) بنا دیا۔ اب نوس محض ایک قانون یا کلام (لوگوس) تک محدود نہیں رہا، بلکہ ایک ایسی مستقل حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا، جو تمام عقلی مظاہر سے مقدم ہے۔ اِس ارتقاء نے یہ ثابت کیا کہ حقیقت کے اعلیٰ ترین درجے تک پہنچنے کے لیے محض لوگوس کی فہم کافی نہیں، بلکہ نوس کے خالص ادراک کی ضرورت ہے۔ پلوٹینس کی جانب سے فائیلو کے تصورات سے انحراف اور "انیڈ" میں پیش کردہ اصلاحات مابعد الطبیعیاتی فکر کی پختگی کی عکاس ہیں۔ پلوٹینس نے لوگوس کو نوس سے الگ کر کے نہ صرف یونانی فلسفے کی روایت کو وسعت دی، بلکہ وجودی سطحوں کے مابین منطقی ربط کو بھی واضح کیا۔ یہ علمی ارتقاء اِس بات کا ثبوت ہے کہ پلوٹینس کے نزدیک عقلِ کُل کی عظمت اُس کی تجریدی علیٰحدگی میں ہی پوشیدہ ہے۔ اِس صورت میں چند اہم علمیاتی نتائج برامد ہوتے ہیں؛

1۔ صوری تفریق: پلوٹینس نے پہلی بار "انیڈ" (17:3) میں لوگوس اور نوس کے درمیان ایک واضح حدِ فاصل قائم کی، جو اُس سے پہلے کی فکر میں موجود نہ تھی۔

2۔ نوس کی مابعد الطبیعیاتی برتری: عقلِ کُل کو لوگوس سے الگ کر کے اُسے ایک برتر وجودی مرتبہ عطا کیا گیا، جو کائناتی تدبیر سے بالاتر ہے۔

3۔ نظریاتی پختگی: یہ علیٰحدگی مابعد الطبیعیاتی نظام میں فعالیت (Action) اور جوہر (Essence) کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے ناگزیر تھی۔

پلوٹینس کا یہ امتیاز کہ اُس نے لوگوس اور عقلِ کُل کے فرق کو متعین کیا "انیڈ" کے پورے فلسفیانہ ڈھانچے کا ستون ہے، جس نے وجودی مراتب کی تفہیم کو ایک نئی جہت عطا کی۔

حصہِ دوم

لوگوس: عہد نامہِ جدید میں

چھٹا باب

لوگوس کا کائناتی تصور

یونانی فلسفہ اور مسیحی الہٰیات

لوگوس کا تصور یسوع مسیح کی درمیانی الوہیت (Intermediary Divinity) اور اُس کی ازلیت (Eternity) کو منطقی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ یہ اصطلاح مسیح کو ایک ایسی ازلی حقیقت کے طور پر پیش کرتی ہے، جو تخلیق اور خالق کے درمیان ایک ناگزیر واسطہ ہے۔ یونانی فلسفیانہ روایت اور بائبلی الہام کا یہ ملاپ "ابن اللہ" (Son of God) کے تصور کو ایک منفرد کائناتی تناظر عطا کرتا ہے، جو اِس کی تفہیم کو تاریخی حدود سے نکال کر کائناتی وسعتوں تک پھیلا دیتا ہے۔ لوگوس کے تصور کی فکری تاریخ اور اُس کے بائبلی اطلاق کو سمجھنے کے لیے سٹوئکس (Stoics) اور فایلو اسکندروی (Philo of Alexandria) کے فکری مناہج کا تجزیہ علمیاتی ضرورت ہے۔ یہی وہ بنیادی مکاتبِ فکر ہیں، جنہوں نے اِس "کائناتی واسطہ" (Cosmic Intermediary) کی توصیف کے لیے ضروری لسانی اور تصوراتی اوزار مہیا کیے۔ جہاں سٹوئک فکر نے لوگوس کو کائنات کی معقولیت اور نظامِ فطرت سے جوڑا، وہاں فایلو نے اُسے خدا اور مادی دنیا کے درمیان ایک پُل کے طور پر پیش کر کے مسیحی الہٰیات کے لیے زمین ہموار کی۔

فلسفیانہ تقابل۔سٹوئکس بمقابلہ فایلو

خصوصیت	رواقی نقطۂ نظر (Stoic View)	فایلو (Philo of Alexandria)
لوگوس کی حیثیت	کائنات کے باطنی منطقی نظام کی عکاسی	خالق و مخلوق میں مابعد الطبیعاتی واسطہ
کائناتی کردار	فطرت کی ترتیب اور اُس کا عقلی قانون	کلامِ الٰہی، عملِ تخلیق کا بنیادی ذریعہ ہے
الہٰیاتی نوعیت	کائنات میں جاری و ساری عقلِ کُل	الوہیت کا عکس، جو کائنات پر اثر انداز ہوتا ہے

اِن فلسفیانہ بنیادوں نے نئے عہد نامے کے مصنفین کو وہ فکری ڈھانچہ فراہم کیا، جس کے ذریعے اُنہوں نے مسیح کی کائناتی حیثیت اور اُس کے الٰہیاتی مقام کے دعوؤں کو علمی طور پر استوار کیا۔ یوحنا کی انجیل کا ابتدائیہ (Prologue) وہ بنیادی کڑی ہے، جہاں یونانی فلسفیانہ اصطلاحات اور بائبلی الٰہیات کا عمیق امتزاج ملتا ہے۔ یہ مسیح کی شخصیت کو "لوگوس" کے طور پر پیش کر کے اُسے کائناتی وسعت عطا کرتا ہے۔ یوحنا کی انجیل کی آیات (مثلاً یوحنا 1:1 اور 1:14) مسیح کی ازلی موجودگی اور اُس کے کلامِ مجسم ہونے کی گواہی دیتی ہیں۔ "لوگوس" کے طور پر یسوع کی مخصوص صفات یہ ہیں؛

1۔ **الوہیت (Divinity):** مسیح کو محض ایک بشر نہیں، بلکہ "درمیانی الوہیت" کے حامل کلام کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے، جو خدا کے ساتھ ایک منفرد تعلق رکھتا ہے۔

2۔ **ازلیت (Eternity):** "ابتدا میں کلام تھا" کے بیان سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسیح کی ہستی وقت کے آغاز سے بھی پہلے موجود تھی، جو اُس کی غیر فانی فطرت کو ظاہر کرتی ہے۔

3۔ **کائناتی کردار (Cosmic Role):** مسیح کو کائنات کی تخلیق اور اُس کے انتظامی تسلسل میں ایک فعال اور مرکزی عامل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

یہ فکری ڈھانچہ نہ صرف مسیح کی شناخت کو واضح کرتا ہے، بلکہ اُس کی کائناتی ذمہ داری (Functional Cosmic Responsibility) کو بھی متعین کرتا ہے، جس سے اُس کی ہستی پوری کائنات کے لیے ناگزیر قرار پاتی ہے۔ یسوع مسیح کو "کائناتی لوگوس" کے طور پر دیکھنے کے مضمرات اِنتہائی گہرے ہیں۔ اِس تصور نے قدیم یونانی عقل پسند طبقے اور بائبلی روایت کے مابین موجود فکری خلیج کو پاٹ دیا۔ "لوگوس" کی اصطلاح کے استعمال نے "ابن اللہ" (Son of God) کے لقب کو یونانی فکری تناظر میں نہ صرف قابلِ فہم بنایا، بلکہ ایک ایسا فکری تحفظ بھی فراہم کیا، جس نے اُسے محض ایک دیومالائی دعوے کے بجائے ایک مربوط مابعد الطبیعاتی حقیقت کے طور پر پیش کیا۔ اِس فکری اشتراک کے بنیادی الٰہیاتی نتائج یہ ہیں کہ یہ تصور پختہ کرتا ہے کہ خالق اور تخلیق کے درمیان ایک مستقل اور ازلی واسطہ موجود ہے، جو یسوع کی صورت میں انسانی تاریخ میں داخل ہوا۔ یونانی فلسفے سے ہم آہنگ اصطلاحات نے مسیحی دعوؤں کو ایک عالمگیر زبان عطا کی، جس سے بائبلی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے اُسے وسیع تر علمی حلقوں میں متعارف کروانا ممکن ہوا۔ یہ الٰہیاتی امتزاج مسیحی فکر میں ایک مستقل مقام حاصل کر چکا ہے، جو خالق اور مخلوق کے درمیان مسیح

کے کائناتی کردار کو مستحکم کرتا ہے۔ نئے عہد نامے میں یونانی فلسفیانہ اصطلاحات (بالخصوص "لوگوس" کا انتخاب) محض ایک لسانی ضرورت نہیں، بلکہ ایک گہری الٰہیاتی حکمتِ عملی تھی۔ سٹوئکس اور فایلو اسکندروی کے تصورات کو بنیاد بنا کر یوحنا کی انجیل نے مسیح کی جو تصویر کشی کی، وہ اُسے ایک تاریخی وجود سے بلند کر کے ایک ازلی اور کائناتی حقیقت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ یونانی فلسفے کے عناصر کو اِس طرح تبدیل کیا گیا کہ وہ "اعلیٰ علم المسیح" (High Christology) اور اُس کے درمیانی کائناتی کردار کو بیان کرنے کا بہترین ذریعہ بن گئے۔

لوگوس کی الٰہیاتی منتقلی-فایلو اسکندروی سے یوحنا اور پولوس تک:

علمِ الٰہیات کی تاریخ میں "لوگوس" (Logos) کا تصور ایک ایسی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے یونانی اثرات کے حامل یہودی فلسفے اور ابتدائی علم المسیح کے مابین ایک مستحکم فکری پُل کا کردار ادا کیا۔ یہ اصطلاح محض ایک لسانی انتخاب نہیں تھی، بلکہ ایک ایسا فکری سنگم تھا، جس نے تجریدی فلسفیانہ تصورات کو ایک ٹھوس اور اساسی مذہبی عقیدے میں تبدیل کر کے "ارتقائے فہم" (Evolution of Understanding) کی بنیاد رکھی۔ انجیلِ یوحنا کا دیباچہ (Prologue) اِس حوالے سے حتمی الٰہیاتی متن ہے کہ یہ لوگوس کو کائنات کی تخلیق کے "ازلی عامل" (Pre-existent Agent) کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ آیات لوگوس کی ماہیت کو محض ایک وقتی آغاز کے طور پر نہیں، بلکہ ایک ایسی الوہی حقیقت کے طور پر ظاہر کرتی ہیں، جو تخلیقِ عالم سے قبل بھی موجود تھی۔

یونانی اصطلاح "آرخی" (Archy)، جس کا اردو ترجمہ "ابتدا" کیا گیا ہے، یہاں کسی زمانی نقطے کی بجائے ایک "اصولی ابتدا" یا "مبدائے وجود" کی نشاندہی کرتی ہے، جو وقت کی قید سے آزاد ہے۔ جب یوحنا لوگوس کا تعلق "تھیوس" (خدا) کے ساتھ جوڑتا ہے، تو وہ اُسے ایک ایسی ازلی صفت اور الٰہیاتی واسطے کے طور پر متعارف کرواتا ہے، جو خالق اور مخلوق کے درمیان خلیج کو پُر کرتا ہے۔ یہ متن اِس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ لوگوس ہی وہ وسیلہ ہے، جس کے بغیر کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آئی۔ لوگوس کی تین بنیادی خصوصیات ہیں؛

1۔ ازلی وجود (Eternal Existence): لوگوس کسی خاص وقت میں پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ وہ "آرکی" یعنی ازلیت سے خدا کے ساتھ موجود ہے۔

2۔ وجہِ تخلیق (Creative Agency): تمام مادی اور غیر مادی کائنات کی تخلیق کا فعال وسیلہ لوگوس ہی ہے۔

3۔ الوہی واسطہ (Divine Mediation): یہ خدا اور کائنات کے درمیان تعلق اور ابلاغ کا ابدی ذریعہ ہے۔

یہ انکشاف موسیٰ کی روایت کے پس منظر میں ایک گہرا الٰہیاتی ارتقاء پیش کرتا ہے۔ عہد نامہِ قدیم سے عہد نامہِ جدید تک خدا کی ذات کا انکشاف ایک تدریجی اور تزویراتی عمل رہا ہے۔ اِس "تدریجی مکاشفہ" کی ضرورت انسانی فہم کی پختگی کے مطابق تھی۔ کتابِ پیدایش 1:1 کے موسوی بیان میں "لوگوس" کا تذکرہ نہ ہونا ایک "تزویراتی اخفاء" (Strategic Concealment) تھا۔ مصر کی طویل غلامی سے نکلے ہوئے بنی اسرائیل کثرت پرستی (Polytheism) کے ماحول سے متاثر تھے، اِس لیے اُن کے "غیر پختہ" ذہنوں کے لیے "توحیدِ الٰہی" کا سادہ اور مطلق تصور ناگزیر تھا۔ اگر اُس وقت لوگوس کی موجودگی کا انکشاف کر دیا جاتا تو اُن کے لیے توحید اور شرک کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا۔ تاہم یوحنا کے عہد تک ایمانداروں کی ذہنی سطح یونانی فکر و فلسفہ اور عبرانی صحائف کی گہری تفسیر کے باعث اِس قابل ہو چکی تھی کہ وہ "کلام" کی ازلی حیثیت کو سمجھ سکیں۔

موسیٰ اور یوحنا کے سیاق وسباق کا موازنہ

خصوصیت	موسیٰ کا سیاق وسباق	یوحنا کا سیاق وسباق
مخاطبین کی حالت	مصر سے نکلے ہوئے، ذہنی طور پر غیر پختہ بنی اسرائیل	ایمان میں پختہ یہودی اور یونانی فلسفہ سے واقف اقوام
الٰہیاتی ترجیح	مطلق توحید کا قیام اور شرک سے تحفظ	تخلیق میں "لوگوس" کے کردار کی وضاحت

فکری ماحول	سادہ بائبلی تعلیمات اور احکامات	یونانی فکر و فلسفہ اور گہری الٰہیاتی تشریحات کا دور
لوگوس کا ظہور	پوشیدہ (تاکہ توحید کا تصور راسخ ہو سکے)	آشکار (تاکہ مسیح کی ازلی حیثیت واضح ہو سکے)

یہ ارتقائی عمل فایلو اسکندروی کی فلسفیانہ کاوشوں کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تھا، جس نے عبرانی فکر کو نئی زبان عطا کی۔ فایلو اسکندروی وہ فکری معمار تھا، جس نے یونانی فلسفے کو بطورِ آلہ استعمال کر کے عبرانی صحائف کی گہری الٰہیاتی تفہیم پیش کی۔ اُس نے ماورائی خدا اور مادی دنیا کے درمیان تعلق کو واضح کرنے کے لیے "واسطے" کا تصور پیش کیا۔ فایلو نے "حکمتِ الٰہی" (Divine Wisdom/Amthal) اور "خدا کا فرشتہ" جیسے قدیم عبرانی تصورات کو از سرِ نو ترتیب دیا تاکہ یہودی ذہن یہ قبول کر سکیں کہ خدا اور انسان کے درمیان "وسائط" کا وجود ممکن ہے۔ اُس نے امثال کی کتاب میں موجود "حکمت" کے تصور کو یونانی "لوگوس" کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ فایلو کی الٰہیات نے یہودی دانشور طبقے میں ایک ایسی فکری زمین تیار کی، جہاں لوگوس کو محض ایک تجریدی قوت کے بجائے ایک ایسی ہستی کے طور پر دیکھا جانے لگا، جو خدا کا اظہار ہے۔ اِسی فکری پس منظر نے آگے چل کر لوگوس کے "شخصی وجود" کے تصور کو قبول کرنے کی راہ ہموار کی۔

اگرچہ لوگوس کے تصور کی فکری بنیادیں فایلو اور یوحنا نے استوار کیں، لیکن اِس تجریدی فلسفے کو ایک زندہ، تاریخی اور مجسّم شخصیت (یعنی یسوع مسیح) میں تبدیل کرنے کا سہرا یوحنا کے سر جاتا ہے۔ یہاں ایک اہم الٰہیاتی نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ یوحنا نے فایلو کے فلسفے کو گہرائی سے سمجھا تھا، لیکن جزیرہِ پتمس میں اُس کی جلاوطنی اور قید نے اُس کے عوامی دعوتی اثر کو محدود کر دیا تھا۔ چنانچہ خدا نے مقدّس پولوس کو اِس "عظیم بھید" (Great Mystery) کے عوامی انکشاف کے لیے منتخب کیا، کیونکہ پولوس بیک وقت عبرانی صحائف کا عالم، یونانی فلسفے کا ماہر اور فایلو کی تھیالوجی سے واقف تھا۔ پولوس نے مسیح کو "تمام مخلوقات سے پہلے مولود" (Firstborn of all creation) قرار دے کر یوحنا کی ازلی شہادت کو ایک ایسی علمیاتی (Christological) وحدت عطا کی، جو فلسفے سے بلند ہو کر ایمان کا حصہ بن گئی۔ پولوس کی تحریروں نے

ثابت کیا کہ فایلو کا "لوگوس" اب یسوع مسیح کی صورت میں "مجسّم ہستی" (Incarnate Persona) بن کر انسانیت کے درمیان سکونت پذیر ہو چکا ہے۔

لوگوس کا الہٰیاتی سفر انسانی فہم کی تدریجی ترقی اور الوہی حکمت کا شاندار اظہار ہے۔ یہ سفر کتابِ پیدایش کے "اخفاء" سے شروع ہوا، جہاں توحید کی حفاظت کے لیے اُسے مخفی رکھا گیا۔ بعد ازاں فایلو اسکندروی نے اِسے ایک "فلسفیانہ واسطے" کے طور پر متعارف کروا کر فکری خلا کو پُر کیا۔ بالا آخر یوحنا کی بصیرت اور پولوس کے ذریعے ہونے والے عوامی انکشاف نے اِس تجریدی تصور کو یسوع مسیح کی صورت میں "مجسّم نجات دہندہ" کے طور پر پیش کیا۔ فلسفے اور ایمان کا یہ ملاپ ہی وہ مضبوط بنیاد ہے، جس پر کلاسیکی مسیحی علمیات (علم المسیح) کی عمارت استوار ہے۔ لوگوس کا ایک "آر کی" (اصولی ابتدا) سے ایک "مجسّم کلام" تک کا سفر ثابت کرتا ہے کہ الہٰیاتی سچائیاں انسانی فہم کی پختگی کے ساتھ ساتھ بتدریج واہوتی ہیں، اور یہی اِس عظیم بھید کی اصل حقیقت ہے۔

ساتواں باب

تجسمِ مسیح کی الٰہیاتی بنیادیں

الوہیت اور صفاتِ الٰہی

علمِ کلام(Systematic Theology)اور مسیحی فکر میں تجسم(Incarnation)کا تصور محض ایک مذہبی عقیدہ نہیں، بلکہ ایک پیچیدہ لسانی معمہ بھی ہے، جس کی بنیادیں بائبلی متون کی تفسیری تفہیم (Hermeneutical Understanding)پر قائم ہیں۔ ایک ماہرِ الٰہیات کے لیے اِن متون میں مستعمل یونانی اصطلاحات کی باریکیاں اساسی اہمیت رکھتی ہیں، کیونکہ یہی وہ لسانی بنیادیں ہیں، جن پر تاریخِ الٰہیات کی عمارت استوار ہے۔ یہاں اِس بنیادی تحقیقی سوال سے معاملہ مطلوب ہے کہ کیا بائبلی متن یسوع مسیح کو خود خدا(Ontological Being)کے طور پر پیش کرتا ہے یا وہ محض الٰہی صفات(Divine Attributes) کے ایک "مظہر"(Manifestation)کے طور پر سامنے آتا ہے؟ اِن لسانی تغیرات کا ادراک ہمیں مسیحی عقائد کی تشکیل اور اُن کے مابین موجود فکری خلیج کو سمجھنے کے لیے ایک مستند ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔ مسیح کی ماہیت(Nature of Christ)کے تعین کے لیے کلسیوں اور یوحنا کی انجیل کے مخصوص اقتباسات کا تقابلی مطالعہ ناگزیر ہے۔ یہ مطالعہ محض لفظی بحث نہیں، بلکہ تجسم کے "وجودیاتی"(Ontological)اور "منصبی یا صفاتی"(Functional/ Attributive)پہلوؤں کے مابین امتیاز کو واضح کرتا ہے۔ کلسیوں کا متن جہاں وجودی الوہیت پر زور دیتا ہے، وہاں یوحنا کا متن الٰہی اظہار اور ابلاغ کو اہمیت دیتا ہے۔

حوالہ	بنیادی اصطلاح	نوعیتِ تجسم	فکری بنیاد
کلسیوں9:2	خدا / الوہیت (Theos)	الوہیت کی ساری معموری (Pleroma)کا تجسم	**وجودی / ذاتی(Ontological):** توجہ کا مرکز خدا کا جوہر اور اُس کی کلیت ہے
یوحنا14:1	کلام / عقلِ الٰہی (Logos)	فضل اور سچائی سے معمور ہو کر رہنا	**ظہوری / صفاتی(Revelatory):** توجہ کا مرکز الٰہی عقل اور صفات کا اظہار ہے

اِن متون کے کلیدی امتیازات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ کلسیوں 2:9 میں "الوہیت کی ساری معموری" (Fullness of Deity) براہِ راست "Theos" کی ذات کو انسانی قالب میں دیکھنے کی دعوت دیتی ہے، جو ایک "اعلیٰ علم المسیح" (High Christology) کی بنیاد ہے۔ اِس کے برعکس یوحنا 1: 14 "Logos" (کلام) کا مجسم ہونا اور "فضل و سچائی" سے معمور ہونا، الٰہی جوہر کے بجائے الٰہی ابلاغ اور صفات کے اظہار کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ لسانی فرق الٰہیاتی توجہ کو "خدا کی ذات" (Essence) سے منتقل کر کے "خدا کے عمل" (Action/Expression) کی طرف لے جاتا ہے۔ تجسم کے عمل میں "ذات" (Being) اور "صفات" (Attributes) کے مابین پایا جانے والا فلسفیانہ تناؤ ہی وہ اصل مقام ہے، جہاں سے الٰہیاتی الجھنیں جنم لیتی ہیں۔ یہ بحث صرف نظری نہیں، بلکہ اِس کا تعلق اِس سوال سے ہے کہ انسانی تاریخ میں کس کا ظہور ہوا؟

نقطۂ نظر اوّل–جوہرِ الٰہی (The Divine Essence):

یہاں "Theos" کے تصور کو فوقیت حاصل ہے۔ اِس زاویے سے تجسم کا مطلب یہ ہے کہ الوہیت کی کلیت (Pleroma) بذاتِ خود انسانی روپ میں آ گئی ہے۔ اِس صورت میں مسیح محض ایک نمائندہ نہیں، بلکہ اپنی اصل میں "خود خدا" ہے، جو انسانی محدودیت میں ظاہر ہوا۔

نقطۂ نظر دوم–مظہرِ صفات (The Manifestation of Attributes):

یہاں "Logos" کا تصور کلیدی ہے۔ لوگوس، جو کہ الٰہی عقل یا وسیلۂ اظہار ہے، جب مجسم ہوتا ہے تو وہ خدا کی صفات (فضل اور سچائی) کو بنی نوع انسان پر آشکار کرتا ہے۔ یہاں مسیح الٰہی حضوری کا وہ واسطہ ہے، جس کے ذریعے خدا کی ذات نہیں، بلکہ اُس کی صفات اور ارادہ مجسم ہوتا ہے۔

یہاں چند تنقیدی سوالات ابھرتے ہیں، جو مسیحی الٰہیات کے قلب میں موجود ہیں، مثلاً کیا یسوع مسیح محض خدا کی کامل ترین صفات (فضل و سچائی) کا ایک تاریخی مظہر تھا؟ یا وہ اپنی ازلی ماہیت میں "خود خدا" (Theos) کے وجود کا تسلسل تھا؟ کیا تجسم کا عمل خدا کے "ہونا" (Being) سے متعلق ہے، یا اُس کے "ظاہر ہونا" (Manifesting) سے ہے؟ بائبلی متون میں موجود یہ بظاہر معمولی لسانی تغیرات ہی درحقیقت اُن

بڑے فرقہ وارانہ اور اعتقادی خلیجوں کا سبب بنے ہیں، جنہوں نے مسیحی تاریخ کو تقسیم کیا ہے۔ تھیوس (Theos) اور لوگوس (Logos) کے مابین ترجیح کا تعین محض ایک علمی مشق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک بنیادی اعتقادی امتیاز (Fundamental Creedal Distinction) ہے جو آرتھوڈوکس (Orthodox) اور دیگر الہیاتی مکاتبِ فکر کے مابین لکیر کھینچتا ہے۔ اِس تقسیم کا اصل "میکانزم" یہ ہے کہ اگر کوئی کلیسیا کلسیوں کے "Theos" کو بنیاد بناتی ہے، تو وہ "وحدتِ جوہر" (Unity of Essence) اور سخت گیر الوہی عقیدے کی طرف مائل ہوتی ہے، جہاں مسیح "خدا بذاتِ خود" (God-In-Person) ٹھہرتا ہے۔ اِس کے برعکس اگر یوحنا کے "Logos" اور صفاتی معموری کو ترجیح دی جائے، تو مسیح کو خدا کا "کامل نمائندہ" یا "الٰہی عمل کا وسیلہ" (God-In-Action) کے طور پر دیکھنے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ یہی وہ اعتقادی نقطۂ ارتکاز (Creedal Pivot Point) ہے، جو کلیسیائی شناختوں کا تعین کرتا ہے۔ یہ متون دعوت دیتے ہیں کہ ہم تجسم کو صرف "ایمان کی آنکھ" سے قبول نہ کریں، بلکہ اُسے ایک سخت گیر فکری سوال (Rigorous Intellectual Inquiry) کے طور پر دیکھیں، جو متن کی تعبیر سے جنم لیتا ہے۔

کلسیوں اور یوحنا کے متون کا علمی محاکمہ واضح کرتا ہے کہ مسیح کی الوہیت کی تعبیر ایک کثیر الجہتی عمل ہے، جہاں ایک لفظ کا انتخاب پورے الہیاتی نظام کو بدل سکتا ہے۔ اِس سے تین کلیدی نتائج برآمد ہوتے ہیں؛

1۔ **وجودیاتی اور صفاتی امتیاز:** بائبلی شواہد میں مسیح کی فطرت کو "ذاتِ الٰہی کی کلیت" (Theos) اور "الٰہی صفات کے ابلاغ" (Logos) کے دو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔

2۔ **اصطلاحاتی اثرات:** اصطلاح "Logos" تجسم کو ایک واسطے یا وسیلے کے طور پر پیش کرتی ہے، جبکہ "Theos" اسے براہِ راست الوہی ظہور قرار دیتی ہے۔

مسیحی فرقوں کے درمیان بنیادی نظریاتی خلیج کی اصل وجہ اِن متون کی تعبیری تشریح ہے، جو اِس سوال پر منقسم ہے کہ مسیح "جوہرِ الٰہی" ہے یا "مظہرِ صفات"۔ کہا جا سکتا ہے کہ مذہبی تقسیم اور اعتقادی ڈھانچوں کو سمجھنے کے لیے متن کا منظم اور لسانی تجزیہ ناگزیر ہے۔ جب تک ہم لسانی تہوں میں چھپے "وجودیاتی" اور "صفاتی" فرق کو نہیں سمجھتے، تب تک ہم کلیسیائی تاریخ کے فکری تضادات کو حل نہیں کر سکتے۔

آٹھواں باب

لوگوس

مولودِ اوّل، مظہر و کلمۃ اللہ

انجیلِ یوحنا کی تفسیری وسعت میں "لوگوس" (کلمۃ اللہ) کا تصور ایک ایسی ماورائی حقیقت کے طور پر ابھرتا ہے، جو زمان و مکاں (Time and Space) کی تخلیق سے بھی قدیم ہے۔ یوحنا اپنی انجیل میں یسوع مسیح کے دعائیہ الفاظ کو نقل کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ کیسے دنیا کی تخلیق سے پہلے لوگوس خدا کے جلال میں شراکت رکھتا تھا:

"اور اَب اَے باپ! تُو اُس جلال سے، جو میں دنیا کی پیدایش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا، مجھے اپنے ساتھ جلالی بنادے"

(یوحنا5:17)۔

بعض اوقات لوگ اِس مغالطے میں پڑ جاتے ہیں کہ جلال میں شراکت الوہیت میں شراکت ہے، جبکہ ایسا نہیں۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر اسرائیل افراس کی کتاب "قدیم یہودی فلسفہ" بصیرت افروز مواد پیش کرتی ہے۔ لہٰذا یوحنا "جلال میں لوگوس کی شراکت" کو "تثلیث فی التوحید" کے طور پر نہیں دیکھ رہا تھا:

"ابتدا میں کلام تھا، کلام خدا کے ساتھ تھا، اور کلام خدا تھا"

(یوحنا1:1)

"یہی اِبتدا میں خُدا کے ساتھ تھا"

(یوحنا2:1)۔

اِس کلمہ کی ازلیت کو محض زمانی تسلسل میں نہیں، بلکہ وجودیاتی (Ontological) تناظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ہم ازلیت کے وقت کو کسی بھی طرح تصور میں نہیں لاسکتے، اور نہ ہی اُس لمحے کو پکڑ سکتے ہیں، جس میں خدا نے لوگوس کو خلق کیا۔ کائنات کے ظہور سے قبل جب صرف عدم کی کیفیت تھی، لوگوس کی موجودگی خدا کے ساتھ ایک دائمی اور غیر متبدّل حقیقت کے طور پر قائم تھی۔ یوحنا سے بہت پہلے

کتابِ امثال کا مصنف لوگوس کی جگہ "حکمت" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، اور ہمیں بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ "حکمت" کب وجود میں آئی، اور اُس نے خدا کے ساتھ کیسے وقت گزارا اور خدا کے تخلیقی کام میں اپنا کیا کردار ادا کیا:

"خداوند نے انتظامِ عالم کے شروع میں اپنی قدیمی صنعتوں سے پہلے مجھے پیدا کیا۔ میں ازل سے یعنی ابتداہی سے مقرّر ہوئی۔ اِس سے پہلے کہ زمین تھی، میں اُس وقت پیدا ہوئی، جب گہراؤ نہ تھے۔ جب پانی سے بھرے ہوئے چشمے بھی نہ تھے۔ میں پہاڑوں کے قائم کئے جانے سے پہلے اور ٹیلوں سے پہلے خلق ہوئی۔ جب کہ اُس نے ابھی نہ زمین کو بنایا تھا، نہ میدانوں کو، اور نہ زمین کی خاک کی ابتدا تھی۔ جب اُس نے آسمان کو قائم کیا، میں وہیں تھی۔ جب اُس نے سمندر کی سطح پر دائرہ کھینچا۔ جب اُس نے اوپر افلاک کو استوار کیا اور گہراؤ کے سوتے مضبوط ہوگئے۔ جب اُس نے سمندر کی حد ٹھہرائی تاکہ پانی اُسکے حکم کو نہ توڑے۔ جب اُس نے زمین کی بنیاد کے نشان لگائے۔ اُس وقت ماہر کاریگر کی مانند میں اُس کے پاس تھی اور میں ہر روز اُس کی خوشنودی تھی اور ہمیشہ اُس کے حضور شادمان رہتی تھی"

(امثال 8:22-30)۔

یہ تعلق اِس بات کی دلیل ہے کہ لوگوس تمام مخلوقات پر ایسی فضیلت رکھتا ہے، جو اُسے وجود کے پہلے درجے پر فائز کرتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ خالق خدا کی ذات وصفات کا گہرا عکس اپنی فطرت میں اختیار کرلیتا ہے:

"وہ اندیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے"

(کلسیوں 1:15)۔

"اِس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا،
جسے اُس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور
جس کے وسیلہ سے اُس نے عالَم بھی پیدا کئے"

(عبرانیوں 1:2)۔

یونانی لفظ "پروس" (πρὸς) کی لسانی جزئیات اِس فکری عمارت کی بنیاد ہیں۔ "خدا کے ساتھ" ہونے کا یہ تصور محض رفاقت یا قربت کا بیان نہیں ہے، بلکہ یہ بطورِ "مولودِ اوّل" لوگوس کی شناخت متعین کرتا ہے (یوحنا 1:1؛ 1 یوحنا 1:2)۔ "پروس" اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوس کا رُخ اور پوری توجہ مکمل

طور پر خدا کی ذات کی طرف تھی، جس نے اُسے کائنات کی پہلی مستحکم وجودی حقیقت بنا دیا۔ یہیں سے بطورِ "آئینہ "لوگوس کی حیثیت متعین ہوتی ہے، جو خدا کے انوار کو منعکس کرنے کے لیے تیار تھا:

"وہ اُس کے جلال کا پرتَو اور اُس کی ذات کا نقش ہو کر
سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے"

(عبرانیوں 3:1)۔

"مسیح، جو خدا کی صورت ہے"

(2-کرنتھیوں 4:4)۔

لوگوس کو "خدا کا آئینہ" قرار دینا ایسی علمی وضاحت ہے، جو خالق اور کلمہ کے مابین تعلق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے۔ یہ آئینہ کوئی خارجی شئے نہیں، بلکہ ایسا وجودی مظہر ہے، جس نے خدا کی غیر مرئی صفات کو اپنے اندر سمیٹ کر اُسے مشاہدے کے قابل بنایا:

"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا، اکلوتا بیٹا، جو باپ کی گود میں ہے، اُسی نے ظاہر کیا"

(یوحنا 8:1)۔

"وہ اَن دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے"

(کلسیوں 15:1)۔

تخلیقِ کائنات سے قبل کے "لاتعداد نوری زمانوں" تک لوگوس کا واحد مشغلہ اور معرفت صرف خدا کی ذات تک محدود تھی:

"اور اَب اَے باپ! تُو اُس جلال سے، جو میں دُنیا کی پیدائش سے پیشتر
تیرے ساتھ رکھتا تھا، مجھے اپنے ساتھ جلالی بنا دے"

(یوحنا 5:17)۔

"اُس وقت ماہر کاریگر کی مانند میں اُس کے پاس تھی اور
میں ہر روز اُس کی خوشنودی تھی اور ہمیشہ اُس کے حضور شادمان رہتی تھی"

(امثال 30:8)۔

چونکہ اُس وقت کوئی دوسری مخلوقات موجود نہ تھیں، اِس لیے لوگوس نے ایک طویل عرصے تک صرف خدا کی فطرت کا گہرا مشاہدہ کیا۔ یہ خصوصی اور تنہا مشاہدہ ہی وہ بنیاد ہے، جس نے اُسے الٰہی صفات کا کامل شناسا بنایا۔ یوحنا بڑی صراحت کے ساتھ ایسے الفاظ لکھتا ہے، جو مسیح کو خدا کے اعمال کا نا قِل بتاتے ہیں:

"پس یسوع نے اُن سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ سے کچھ نہیں کر سکتا سِوا اُس کے، جو باپ کو کرتے دیکھتا ہے، کیونکہ جن کاموں کو وہ کرتا ہے، اُنہیں بیٹا بھی اُسی طرح کرتا ہے"

(یوحنا19:5)۔

"میں نے جو اپنے باپ کے ہاں دیکھا ہے، وہی کہتا ہوں اور تم نے جو اپنے باپ سے سنا ہے، وہی کرتے ہو"

(یوحنا38:8)۔

اِس طویل مشاہدے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوس نے خدا کے عکس کو مکمل طور پر خود میں محفوظ (Preserve) کر لیا۔ یہ "محفوظ عکس" ہی وہ الوہی جوہر ہے، جس کی بنا پر یوحنا نے لوگوس کو "خدا" کے لقب سے یاد کیا، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ خدا اور مسیح کا رشتہ تابع اور متابع کا ہے۔ اُس کے بیانات میں الفاظ کی تکرار اور دوہرائی اِسی لئے ہے، تاکہ دونوں میں تخصیصِ مراتب قائم رہے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ باپ اور بیٹا دونوں الگ ہیں:

"اور کلام خدا تھا"

(یوحنا1:1)۔

"میں اور باپ ایک ہیں"

(یوحنا30:10)۔

یہ عکس اِس قدر کامل تھا کہ لوگوس محض ایک تصویر نہیں رہا، بلکہ خدا کا ایک زندہ "پرتو" بن کر ابھرا:

"وہ اُس کے جلال کا پرتَو اور اُس کی ذات کا نقش ہو کر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے"

(عبرانیوں3:1)۔

اکثر قارئین انجیلِ یوحنا اور مقدّس پولوس کے بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ خدا باپ اور یسوع مسیح باہم "برابر" اور "مساوی" ہیں۔ اِس تصور کی ایک اہم بنیاد فلپیوں 2:6 ہے، اور اِس کا معروف اردو ترجمہ یوں پڑھا جاتا ہے:

"اُس نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا"

(فلپیوں 2:6)۔

اِس آیت میں یونانی محاورہ "ἴσα θεῷ" استعمال ہوا ہے۔ لفظ "ἴσα"، جو "ἴσος" سے ماخوذ ہے، عمومی طور پر "برابر" یا "مساوی" کے معنی دیتا ہے۔ اِسی بنا پر اکثر تراجم میں اِسے "خدا کے برابر" سمجھا گیا ہے، اور تثلیث کے عقیدہ کو بیان کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم سوال یہ ہے کہ آیا یہاں "برابری" (equality) سے مراد "وجودیاتی" (ontological) برابری ہے؟ یعنی ذات و جوہر میں مکمل مساوات، یا یہ کسی اَور نوعیت کی حالت یا حیثیت کی طرف اشارہ ہے؟

اِس سوال کے ساتھ یہاں سیاق وسباق نہایت اہم ہو جاتا ہے۔ پولوس اِس پورے حصے (فلپیوں 2: 5-8) میں مسیح کی فروتنی اور خود کو خالی کرنے (κένωσις) پر زور دیتا ہے۔ اِس تناظر میں "ἴσα θεῷ" کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مسیح کے پاس ایک بلند مرتبہ یا ایسی حیثیت تھی، جسے وہ اپنے فائدے کے لئے مضبوطی سے تھامے رکھ (ἁρπαγμός) سکتا تھا، لیکن وہ اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہاں اصل زور "برابر ہونے" پر ہے بھی نہیں، بلکہ اِس بات پر ہے کہ اُس نے کسی بلند حیثیت یا حق کو اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کیا، بلکہ فروتنی اختیار کی۔ روایتی ترجمہ بتاتا ہے کہ "خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا"، جس کی ممکنہ تفسیر یہ تاثر دیتی ہے کہ اُس نے "خدا سے برابری" کو حقیر جانا۔ اگر اِس آیت کو یونہی لیا جائے تو گویا مسیح نے اُس منصب کی قدر نہ کی، جو اُسے خدا باپ نے ازل سے دے رکھا تھا۔ اب یہ عمل کس معنی میں قابلِ تحسین ہو سکتا ہے، جبکہ آگے کا بیان اُسے سراہے جانے، اعلیٰ نام دیئے جانے اور مرکزِ سجدہ بنائے جانے پر مبنی ہے؟ لہٰذا اِس بیان کی ایک منطقی تعبیر یہ ہو سکتی ہے کہ "اگرچہ وہ خدا کی صورت پر تھا، مگر اُس نے اپنی اِس بلند حیثیت کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے یا اِس پر اصرار کرنے کی کوشش نہ کی"۔ یہاں یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ یہ دوسرا بیان لفظی ترجمہ نہیں، بلکہ تفسیری وضاحت ہے، جو سیاق کو سامنے رکھ کر پیش کی جا رہی ہے۔

"خدا کی صورت" (μορφῇ θεοῦ) کا مفہوم:

آیت کے پہلے حصے میں کہا گیا ہے: "وہ خدا کی صورت" (μορφῇ θεοῦ) پر تھا"۔ یہاں "صورت" (μορφή) کا مطلب صرف ظاہری شکل نہیں، بلکہ ایک حقیقی حیثیت یا مقام بھی ہو سکتا ہے۔ اِسی تصور کو سمجھنے کے لیے ہم بائبلی پس منظر دیکھ سکتے ہیں، مثلاً: (1) پیدائش 26:1 "انسان خدا کی صورت پر بنایا گیا"، اور (2) رومیوں 5:12-19 "آدم اور مسیح کا تقابل"۔ اِس تناظر میں یہ کہنا ممکن ہے کہ جہاں آدم خدا کی صورت پر ہونے کے باوجود لغزش کا شکار ہوا، وہاں مسیح نے اُسی حیثیت میں کامل وفاداری اور فروتنی کا اظہار کیا۔

فلپیوں 2:7-8 میں پولوس مزید وضاحت کرتا ہے کہ "بلکہ اُس نے اپنے آپ کو خالی کر دیا، اور خادم کی صورت اختیار کی۔۔۔ اور صلیبی موت تک فرمانبردار رہا"۔ یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ پولوس کا اصل زور "برابری" پر نہیں، بلکہ "فروتنی" اور "اطاعت" پر ہے۔ اِس پورے متن کو سامنے رکھتے ہوئے ایک محتاط اور متوازن نتیجہ یہ اخذ ہو سکتا ہے کہ فلپیوں 2:6 لازماً یہ تعلیم نہیں دیتا کہ مسیح خدا باپ کے ساتھ وجودیاتی (ontological) طور پر برابر تھا، بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کے پاس ایک بلند اور منفرد حیثیت تھی، جسے اُس نے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے بجائے فروتنی اور اطاعت میں چھوڑ دیا۔

بالفرض اگر فلپیوں 2:6 کو لغوی معنوں میں لیا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ مسیح "خدا کے برابر" تھا، تو ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ واقعی خدا کے برابر تھا، تو پھر اُس نے اطاعت اور فرمانبرداری کیوں اختیار کی؟ کیونکہ بائبلی تعلیم کے مطابق "وہ موت تک فرمانبردار رہا" (فلپیوں 2:8)، "بیٹا خود بھی اُس کے تابع ہو جائے گا" (1-کرنتھیوں 15:28)، اور "باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا 14:28)۔ یہ حوالہ جات ایک واضح ترتیبِ اختیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ سوال اہم ہو جاتا ہے کہ کیا ایک ہستی، جو حقیقی معنوں میں خدا ہو، کسی دوسری ہستی کی مطیع ہو سکتی ہے؟ جواب غالباً نفی میں ہے۔ لہٰذا یہاں ایک محتاط نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ فلپیوں 2:6 میں "برابری" (ἴσα θεῷ) کو مطلق الوہیت (absolute deity) کے طور پر نہیں، بلکہ کسی اَور "نوعی حیثیت" کے طور پر سمجھا جائے۔

نواں باب

شرکتِ جلال کا مسئلہ

اِس تناظر میں "شرکتِ جلال"(participation in glory) کا تصور ایک نہایت اہم وضاحتی کلید فراہم کرتا ہے۔ یسوع خود فرماتا ہے:

"اور وہ جلال، جو تُو نے مجھے دیا، میں نے اُنہیں دیا، تاکہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں"۔

(یوحنا17:22)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جلال ایک ایسی شئے ہے، جو دی جا سکتی ہے اور جس میں دوسرے بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا "جلال میں شراکت"، "ذات میں برابری" نہیں۔ اگر اِس کا یہی مفہوم ہوتا تو اِسی باب میں یسوع مزید کہتا ہے:

"تاکہ وہ میرے اُس جلال کو دیکھیں۔۔۔ کیونکہ تُو نے بنایِ عالم سے پیشتر مجھ سے محبت رکھی"

(یوحنا17:24)

یہاں جلال کا تعلق محبت سے جوڑا گیا ہے۔ یعنی جلال دراصل اُس محبت کا اظہار ہے، جو خدا اپنے محبوب کے لیے رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسیح "خدا کے برابر" اِس معنی میں نہیں کہ وہ ذات میں مساوی تھا، بلکہ اِس معنی میں کہ وہ خدا کے جلال اور محبت میں شریک تھا۔ اِس روشنی میں آیت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ مسیح، اگرچہ خدا کی صورت پر تھا اور جلالی حیثیت رکھتا تھا، مگر اُس نے اِس حیثیت کو اپنے فائدے کے لیے مضبوطی سے تھامے رکھنے کے بجائے خود کو خالی کیا۔ یعنی اُس نے "جلالی مقام" پر اصرار نہیں کیا، بلکہ فروتنی اختیار کی۔

پرانے عہد نامہ کی پیشین گوئیاں بھی اِسی تصور کی تائید کرتی ہیں، مثلاً "مردِ غمناک"(یسعیاہ53: 3)، "خدا کا مارا کُوٹا"(یسعیاہ53:4)، اور "دکھ اٹھانے والا خادم"۔ یہ سب اُس مسیحا کی تصویر پیش کرتی ہیں، جو جلال کو چھوڑ کر فروتنی اور دکھ کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یوحنا کی تعلیم کے مطابق:

"خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا"

(یوحنا16:3)

یہاں محبت کا پہلو مرکزی ہے۔ اِس تناظر میں یہ کہنا زیادہ متوازن معلوم ہوتا ہے کہ لوگوس ایک ایسے جلالی اور محبوب مقام پر تھا، جہاں وہ خدا کی خاص محبت اور عزت کا حامل تھا، مگر نجاتِ عالم کے لیے اُس نے اُس مقام کو چھوڑ کر انسانی حالت اختیار کی۔ جب یسوع کہتا ہے کہ "جس نے مجھے دیکھا، اُس نے باپ کو دیکھا" (یوحنا9:14)، تو اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خود باپ ہے، بلکہ یہ کہ وہ باپ کا کامل مظہر (perfect representation) ہے۔ لہٰذا اِن تمام حوالہ جات کو یکجا کر کے ایک متوازن نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ فلپیوں2:6 میں "خدا کے برابر" ہونے کا مفہوم لازماً وجودیاتی مساوات نہیں، بلکہ ایک جلالی اور اعزازی حیثیت ہو سکتی ہے، جس میں مسیح خدا کی محبت اور جلال میں شریک تھا۔ اِسی حیثیت کو اُس نے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے بجائے فروتنی سے ترک کیا، اور اطاعت کی راہ اختیار کی۔

مسیحی الٰہیات میں فلپیوں2:6 ایک نہایت اہم اور کثیر المعنی آیت ہے، جس سے صدیوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا رہا ہے کہ یسوع مسیح خدا باپ کے ساتھ "برابر" اور "مساوی" ہے۔ تاہم جب اِس آیت کو اِس کے ادبی سیاق، یونانی متن، اور دیگر بائبلی حوالہ جات کی روشنی میں دیکھا جائے تو ایک متبادل اور زیادہ متوازن تفہیم سامنے آتی ہے۔ فلپیوں2: 5-8 کا پورا حصہ مسیح کی فروتنی (humility) اور اطاعت (obedience) پر زور دیتا ہے، یعنی "اُس نے اپنے آپ کو خالی کر دیا" (7:2)، اور "وہ موت تک فرمانبردار رہا" (8:2)۔ یہ سیاق اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ پولوس کا مقصد مسیح کی عظمت کو اُس کی فروتنی میں ظاہر کرنا ہے، نہ کہ کسی فلسفیانہ برابری کو ثابت کرنا۔

لہٰذا آیت کے پہلے حصے میں کہا گیا ہے کہ "وہ خدا کی صورت (μορφῇ θεοῦ) پر تھا"۔ یہاں یونانی لفظ "μορφή" کا مفہوم کوئی حقیقی ظاہری شکل نہیں، بلکہ ایک حقیقی حیثیت، مقام یا حالت ہو سکتا ہے۔ اِس تناظر میں آدم بھی خدا کی صورت پر بنایا گیا (پیدائش 26:1)، مگر وہ اِس صورت کو قائم رکھنے میں ثابت قدم نہ رہ سکا۔ جبکہ مسیح نے اِسی حیثیت میں کامل اطاعت دکھائی۔ یوں "صورت" کا تصور ہمیں مسیح کی حیثیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے، بجائے اِس کے کہ ہم لازماً اُسے خدا باپ کے برابر ٹھہرائیں۔

اگرچہ "ἴσα" کا مطلب "برابر" ہے، مگر سیاق کے لحاظ سے یہ ایک حیثیت، مرتبہ، یا اعزاز کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اِس صورت میں آیت کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ مسیح کے پاس ایک بلند اور جلالی

مقام تھا، مگر اُس نے اُسے اپنے فائدے کے لیے تھامے رکھنے کے بجائے چھوڑ دیا۔ یہاں زور "برابر ہونے" پر نہیں ہے، بلکہ "اُسے تھامے نہ رکھنے" پر ہے۔

یسوع خود فرماتا ہے:

"اور وہ جلال، جو تُو نے مجھے دیا، میں نے اُنہیں دیا، تاکہ وہ ایک ہوں، جیسے ہم ایک ہیں" (یوحنا17:22)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جلال ایک ایسی حقیقت ہے، جو دی جا سکتی ہے، اور جس میں دوسرے بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جلال میں شراکت، ذات میں برابری نہیں۔ اگر جلال میں شراکت کو "برابری" مان لیا جائے تو پھر مسیح نے شاگردوں کو بھی الوہیت میں شامل کر دیا، جیسے وہ خود الوہیت میں شامل تھا۔ یوحنا17:24 میں جلال کو محبت کے ساتھ جوڑا گیا ہے: "تُو نے بنایِ عالم سے پیشتر مجھ سے محبت رکھی"۔ اِس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جلال دراصل اُس محبت کا اظہار ہے، جو خدا اپنے محبوب کے لیے رکھتا ہے۔ چنانچہ مسیح کا "جلالی مقام" اُس کی الوہیتِ مطلق کا نہیں، بلکہ خدا کی خاص محبت اور اعزاز کا مظہر ہے۔

متعدد مقامات پر مسیح کی تابعیت واضح کی گئی ہے، مثلاً "باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا14:28)، "بیٹا بھی اُس کے تابع ہو جائے گا" (1-کرنتھیوں15:28)۔ یہ آیات اِس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مسیح کی حیثیت خدا باپ کے برابر نہیں، بلکہ اُس کے تابع ہے۔ یوحنا3:16 میں محبت مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس تناظر میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ لوگوس ایک جلالی اور محبوب مقام پر تھا، جو خدا کو عزیز تھا۔ مگر نجاتِ عالم کے لیے اُس نے اُس مقام کو چھوڑ کر انسانی حالت اختیار کی۔ یسوع فرماتا ہے: "جس نے مجھے دیکھا، اُس نے باپ کو دیکھا" (یوحنا14:9)۔ یہ بیان اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسیح خدا کا کامل مظہر ہے، نہ کہ خود وہی ذات۔ پس فلپیوں2:6 کو اگر مکمل بائبلی اور ادبی سیاق میں سمجھا جائے تو یہ لازم نہیں کہ وہ مسیح کی خدا باپ کے ساتھ مطلق برابری کی تعلیم دیتا ہو۔ بلکہ زیادہ قرینِ قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح ایک جلالی اور اعزازی حیثیت کا حامل تھا، جو خدا کی محبت کا مظہر تھی، مگر اُس نے اُس حیثیت کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے بجائے فروتنی، اطاعت، اور قربانی کی راہ اختیار کی۔ یوں مسیح کی عظمت اُس کی برابری میں نہیں، بلکہ اُس کی فروتنی میں ظاہر ہوتی ہے۔ بالفرض اگر لغوی معنوں میں یہی سمجھا جائے کہ وہ "خدا کے برابر" تھا، تو پھر اُس نے: اطاعت و فرمانبرداری" قبول کیوں کی؟ کیا ایک خدا کو کسی کا مطیع و ماتحت ہونا زیب

دیتا ہے؟ یقیناً اگر وہ خدا ہے تو وہ کسی کا مطیع و فرمانبردار نہیں ہو سکتا، اور اگر ہو گا تو، جس کا ہو گا، اصل میں وہ بڑا قرار پائے گا۔ جیسا کہ ہم نے ابتدائی سطور میں ذکر کیا کہ لوگوس کی الوہیت میں شراکت نہ تھی، بلکہ جلال میں تھی، اور اِسی جلالی شراکت کے باعث یوحنا لوگوس کو "خدا" کہتا ہے۔ اِس لئے فلپیوں 2:6 میں یسوع اِسی جلالی حیثیت سے خود کو خالی کرتا ہے، اور اِسی کو قبضے میں رکھنے کی چیز نہیں سمجھتا۔ یسعیاہ سمیت دیگر قدیم انبیاء کی پیشین گوئیاں جب آنے والے مسیحا کو "مردِ غمناک"، "خدا کا مارا کُوٹا"، اور "دکھ اٹھانے والا خادم" بتاتی ہیں تو دراصل وہ "جلال کی شراکت" یا "جلالی برابری" کو چھوڑ دینے والا مسیحا نظر آتا ہے۔

یہاں "شرکتِ جلال" کی تعبیر ہی ہمیں بھٹکنے سے بچا سکتی ہے۔ آپ نے اِسی انجیل میں وہ الفاظ بھی پڑھے ہوں گے، جن میں یسوع کہتا ہے:

"اور وہ جلال، جو تُو نے مجھے دِیا ہے، میں نے اُنہیں دِیا ہے، تاکہ وہ ایک ہوں، جیسے ہم ایک ہیں"۔

(یوحنا 22:17)

یسوع کے یہ الفاظ واضح طور پر "شرکتِ جلال" کی تعبیر پیش کرتے ہیں، اور جس مغالطے کا شکار ہمیں فلپیوں 2:6 کرتی ہے، اُسے دور کر دیتے ہیں۔ یعنی یسوع "خدا کے برابر" الوہیت میں نہیں، بلکہ "جلال" میں ہے، اور جلال کا مقام دراصل خدا کی محبت کا مقام ہے، یہ حوالہ دیکھئے:

"اے باپ! میں جانتا ہُوں کہ جنہیں تُو نے مُجھے دِیا ہے، جہاں میں ہوں، وہ بھی میرے ساتھ ہوں، تاکہ میرے اُس جلال کو دیکھیں، جو تُو نے مجھے دِیا ہے، کیونکہ تُو نے بنایِ عالَم سے پیشتر مجھ سے محبّت رکھی"۔

(یوحنا 24:17)

اِن آیات کے گہرے الفاظ کے تحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل "جلال" وہ اعلیٰ مقام ہے، جہاں خدا کی محبت ایسی بے بیان ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے، اُس کی عزت و توقیر ویسی ہی چاہتا ہے، جیسی کہ اپنی۔ یہی وجہ ہے کہ یوحنا خدا کے محبوب (لوگوس) کو بھی خدا ہی طرح قابلِ تعظیم سمجھتا ہے، اور اُسے "خدا" کے لقب سے مُلقّب کرتا ہے۔ یسوع جس مقام سے نیچے آیا، دراصل وہ محبت و جلال کا یہی مقام تھا۔ اِسی وجہ سے یوحنا (16:3) خدا کی محبت کو بے مثال قرار دیتا ہے:

"خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا"، اور یسوع کو صلیب پر تنہا چھوڑ دیا:

"اے باپ! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"

دراصل یسوع مسیح سے خدا کی محبت بے بیان تھی، لیکن دنیا کی نجات بھی ضروری تھی۔ خدا کے لئے ممکن نہ تھا کہ خود دنیا کی نجات کے لئے مجسم ہو، لیکن لوگوس کے لئے یہ عمل ممکن تھا۔ لہٰذا جب لوگوس نے اِس ذمہ داری کو قبول کیا، اور یسوع مسیح کی صورت میں مجسم ہوا تو دراصل اُس نے اُس محبت کے مرتبے کو چھوڑا، جو جلالی تھا، جہاں وہ ویسی ہی عزت و تکریم کا حامل تھا، جیسی کہ خود خدا کی ہو۔ خدا اُسے ایسی محبت کرتا تھا، جیسی کہ خود اپنے وجود سے۔ محبت کے اِس جذبے کو ہم انسانوں میں دیکھ سکتے ہیں کہ جس شخص یا شئے سے محبت ہو، اُس کی پرواہ بالکل ویسے ہی کی جاتی ہے، جیسی کہ ہم اپنی جان کی کرتے ہیں، اور بعض اوقات کہہ بھی دیتے ہیں کہ "فلاں کو بھیج رہا ہوں۔ اِس کی ویسی ہی خدمت کرنا، جیسی میں میرے خود اپنے آنے پر کرتے ہو"۔ یہی الفاظ یسوع مسیح نے اپنی تمثیلوں اور گہری باتوں میں بھی سمجھائی ہے، جیسا کہ "جس نے مجھے دیکھا، اُس نے باپ کو دیکھا"، وغیرہ وغیرہ۔

لوگوس بذاتِ خود "خالق خدا" (The Source) یا "قادرِ مطلق" نہیں ہے، بلکہ وہ خالق کا کامل "مظہر" ہے:

"لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے، یعنی باپ، جس کی طرف سے سب چیزیں ہیں اور ہم اُسی کے لئے ہیں اور ایک ہی خداوند ہے، یعنی یسوع مسیح، جس کے وسیلہ سے سب چیزیں موجود ہوئیں اور ہم بھی اُسی کے وسیلہ سے ہیں"

(1-کرنتھیوں 6:8)۔

"تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبّت رکھتے تو اِس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے، کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے"

(یوحنا 28:14)۔

لوگوس ایک ایسا آئینہ ہے، جو اصل کی تمام خصوصیات کو منعکس تو کرتا ہے، لیکن وہ اپنی اصل (Source) سے جدا اپنی ایک الگ تفسیری شناخت رکھتا ہے۔ یہ عکس محض ایک ساکن صورت نہیں تھی، بلکہ یہ وہ فعال نقشہ تھا، جس کے بطن سے پوری کائنات کا ظہور ہونا تھا:

"چنانچہ اُس نے اپنی مرضی کے بھید کو اپنے اُس نیک ارادہ کے موافق ہم پر ظاہر کیا، جسے اپنے آپ میں ٹھہرا لیا تھا، تاکہ زمانوں کے پورے ہونے کا ایسا انتظام ہو کہ مسیح میں سب چیزوں کا مجموعہ ہو جائے، خواہ وہ آسمان کی ہوں، خواہ زمین کی"

(افسیوں 1:9-10)۔

تخلیقِ کائنات کا عمل کوئی اتفاقی ظہور نہیں تھا، بلکہ یہ ایک نہایت منظم الٰہی منصوبے کا مرہونِ منت ہے، اور لوگوس اِس منصوبے کے "مخزن"(Repository) کے طور پر کام کرتا ہے۔ جب یوحنا یہ کہتا ہے کہ "سب چیزیں اُسی کے وسیلے پیدا ہوئیں" (یوحنا 1:3)، اور "ہم بھی اُسی کے وسیلہ سے ہیں" (1-کرنتھیوں 8:6)، تو اِس کا علمیاتی مفہوم یہ ہے کہ کائنات کا نقشہ لوگوس کے اندر ودیعت تھا:

"کیونکہ اُسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں۔ آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ دیکھی ہوں یا اَن دیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں، یا حکومتیں یا اِختیارات، سب چیزیں اُسی کے وسیلہ سے اور اُسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں"

(کلسیوں 1:16)۔

"اور سب پر یہ بات روشن کروں کہ جو بھید ازل سے سب چیزوں کے پیدا کرنے والے خدا میں پوشیدہ رہا، اُس کا کیا اِنتظام ہے۔ تاکہ اب کلیسیا کے وسیلہ سے خدا کی طرح طرح کی حکمت اُن حکومت والوں اور اختیار والوں کو، جو آسمانی مقاموں میں ہیں معلوم ہو جائے۔ اُس ازلی ارادہ کے مطابق جو اُس نے ہمارے خداوند مسیح یسوع میں کیا تھا"

(افسیوں 3:9-11)۔

لوگوس وہ ڈھانچہ اور بنیاد فراہم کرتا ہے، جس کے مطابق خدا نے کائنات کو وجود بخشا۔ "وسیلہ" ہونے کا اصل مطلب یہی ہے کہ ہر شئے کی نمو اور ظہور اُسی الٰہی منصوبے کے تحت ہوا، جو لوگوس میں محفوظ تھا:

"ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالَم خُدا کے کلام سے بنے ہیں۔
یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے، ظاہری چیزوں سے بنا ہو"

(عبرانیوں 11:3)۔

"آسمان خداوند کے کلام سے اور اُس کا سارا لشکر اُس کے مُنہ کے دم سے بنا"

(زبور 6:33)۔

لوگوس اور ذاتِ الٰہی—ایک دقیق توازن:

لوگوس اور خدا کے تعلق کو سمجھنے کے لیے "ذات" اور "مظہر" (Manifestation) کے مابین منطقی تفریق کو برقرار رکھنا الٰہیاتی ضرورت ہے۔ یہ تفریق ہی اِس ابہام کو دور کرتی ہے کہ ایک ہستی کو "خدا" کہتے ہوئے بھی "قادرِ مطلق" کے درجے سے الگ کیسے رکھا جا سکتا ہے۔ لوگوس "قادرِ مطلق خدا" نہیں ہے، کیونکہ قادرِ مطلق ہونے کی صفت صرف اُس "ذات" کے لیے مخصوص ہے، جو تمام تر وجود کا ماخذ اور منبع ہے:

"جسے وہ مناسب وقت پر نمایاں کرے گا،

جو مبارک اور واحد حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے"

(1- تیمتھیس 16:6)۔

"ہر اچھی بخشش اور ہر کامل انعام اُوپر سے ہے، اور نوروں کے باپ کی طرف سے ملتا ہے،

جس میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ گردش کے سبب سے اُس پر سایہ پڑتا ہے"

(یعقوب 17:1)۔

تاہم یوحنا نے لوگوس کو پھر بھی "خدا" کہا (یوحنا 1:1)، جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوس میں منعکس ہونے والا عکس اِس قدر کامل اور بے عیب ہے کہ وہ اپنی کیفیت اور فطرت میں خدا ہی کا "پرتَو" ہے:

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اُسی میں مُجسّم ہو کر سکونت کرتی ہے"

(کلسیوں 9:2)۔

جب اُسے "خدا" کہا جاتا ہے، تو اِس سے مراد اُس کی وہ الٰہیاتی صفت اور جوہر ہے، جو اُسے خدا کا اکمل ترین مظہر بناتی ہے۔ یوحنا نے اِس لسانی ترتیب کے ذریعے ایک دقیق توازن قائم کیا ہے۔ لوگوس کو خدا کے "ساتھ" (پروس) دکھا کر اُس کی ایک انفرادی وجودی حیثیت کو قائم رکھا (یوحنا 1:1-2)، اور لوگوس کو "خدا" کہہ کر یہ واضح کیا کہ وہ کوئی اجنبی یا جداگانہ ہستی نہیں، بلکہ خدا ہی کی کامل صفت کلام ہے:

"خُداکو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا، جو باپ کی گود میں ہے، اُسی نے ظاہر کیا"

(یوحنا18:1)۔

"یسوع نے اُس سے کہا، اے فلپّس! میں اِتنی مُدّت سے تمہارے ساتھ ہوں، کیا تُو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا، اس نے باپ کو دیکھا۔ تُو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا؟"

(یوحنا9:14)۔

مختصر یہ کہ لوگوس خدا کی ازلی مشیّت کا آئینہ ہے، جس میں کائنات کا پورا منصوبہ محفوظ تھا۔ وہ "مولودِ اوّل" ہے (کلسیوں 15:1)، جس نے نوری زمانوں کے مشاہدے سے خدا کے عکس کو اِس درجہ خود میں جذب کیا کہ وہ خدا کا کامل مظہر بن گیا۔ لوگوس اور تھیوس کے درمیان یہ تعلق "ماخذ" اور "پرتَو" کا ہے، جہاں پرتَو اپنے ماخذ کی تمام صفات کا حامل ہونے کے باوجود اُس کا عین نہیں ہوتا، بلکہ اُس کے جلال کو ظاہر کرنے کا واحد و مستند وسیلہ ہوتا ہے (عبرانیوں 3:1؛ یوحنا14:1)۔

روایتی (Orthodox) مسیحی الٰہیات:

یہ مؤقف تاریخی طور پر مجلسِ نقایا (Council of Nicaea) منعقدہ 325ء میں واضح ہوا، جہاں لوگوس (مسیح) کے بارے میں یہ عقیدہ طے پایا کہ لوگوس ازلی ہے (یوحنا1:1؛ 5:17)، لوگوس خدا کی ذات میں شریک ہے (یوحنا30:10؛ کلسیوں 9:2)، لوگوس مخلوق نہیں، بلکہ خالق کے ساتھ خالق ہے (یوحنا1:3؛ عبرانیوں 1: 2)، اور لوگوس مجسم ہوا (یوحنا1: 4)۔ نقایا کی مجلس میں اہم اصطلاح "ہم جوہر" (Homoousios) کی اصطلاح اختیار کی گئی، جس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ لوگوس اور تھیوس ایک ہی جوہر رکھتے ہیں۔ یعنی لوگوس صرف خدا کا عکس نہیں، بلکہ خدا کی ذات میں حقیقی شرکت رکھنے والی مساوی ہستی ہے۔

آریوسی (Arian) نقطۂ نظر:

یہ نظریہ آریوس (Arius) سے منسوب ہے۔ اِس کے مطابق لوگوس (بیٹا) کو پیدا کیا گیا، ایک وقت تھا، جب وہ نہ تھا، لوگوس تھیوس کے مساوی نہیں ہے، وہ کارِ تخلیق میں واسطہ ہے، مگر تنہا خالق نہیں۔

نقایاکونسل کی نسبت آریوس کی تھیالوجی نئے عہد نامے کے بیانات کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ وہ لوگوس کو "مولودِ اوّل" مانتاہے، لوگوس کو "خدا کی ذات کا پرتَو" (عکس / مظہر) مانتاہے، لوگوس کو "تخلیق کا وسیلہ" مانتا ہے۔

آریوس کی تھیالوجی پر یہ سوال اٹھایاجاتاہے کہ اگر لوگوس خود بھی مخلوق ہے تو پھر یوحنا 1:3 کا کیا مطلب ہے، جہاں لوگوس کو ہی تمام مخلوقات کا منبع قرار دیا گیا ہے: "سب چیزیں اُس کے وسیلہ سے پیدا ہُوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے، اُس میں سے کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی"۔ یعنی کیا لوگوس اپنی تخلیق کا وسیلہ بھی خود ہی ہے؟ نقایاکونسل نے آریوس کے نظریات پر یہ اِس قسم کے سوال اٹھا کر اُسے مکمل طور پر ردّ کر دیا، کیونکہ اِس سوال کا جواب منطقی طور پر موجود نہ تھا۔ لیکن آریوس کے نظریے کی سب سے بڑی منطقی خوبی اِسی میں ہے کہ وہ یسوع کو "تمام مخلوقات سے پہلے" رکھنا چاہتاہے، جیسا کہ مقدّس پولوس نے بھی لکھا:

"اور وہی بدن، یعنی کلیسیا کا سر ہے۔
وہی مبدا ہے، اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا،
تاکہ سب باتوں میں اُس کا اوّل درجہ ہو"
(کلسیوں 1:18؛ افسیوں 1:22)۔

یوں مولودِ اوّل ہونے کی حیثیت سے وہ نہ صرف خدا کا قائم مقام ٹھہرتا ہے، بلکہ تخلیق کے سارے عمل میں واحد وسیلہ بھی۔ یہاں "سب کچھ" (πάντα) سے مراد تمام باقی مخلوقات ہیں، نہ کہ خود لوگوس، کیونکہ لوگوس براہِ راست تھیوس کی تخلیقی صفت ہے، اور اِسی سے باقی مخلوقات کا وجود ظہور میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ "مسیح" کو تمام مخلوقات کا "سر" کہا گیا ہے، اور مسیح کا سر "خدا باپ" کو مانا گیا:

"ہر مرد کا سر مسیح ہے، اور عورت کا سر مرد، اور مسیح کا سر خدا ہے"
(1 کرنتھیوں 11:3)۔

کلسیوں 1:16 کے مطابق "اُسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں"۔ یہاں "سب" کا مطلب سیاق سے متعین ہوتا ہے، پھر 1-کرنتھیوں 15:27 کے مطابق "خدا نے سب کچھ اُس کے تابع کر دیا، مگر ظاہر ہے کہ وہ خود مستثنیٰ رہا"۔ لہٰذا یہ خیال نہ صرف واضح ہے، بلکہ قابلِ فہم بھی ہے کہ یسوع مسیح اپنے تجسّم سے پیشتر

خالق خدا کی اوّلین کاریگری، تخلیقی صفت اور لوگوس ہے۔ اِس طرح کتابِ امثال میں بیان کردہ "حکمت" اور انجیلِ یوحنا کے "لوگوس" میں کامل مشابہت دکھانے اور علم المسیح کی بڑی بڑی الجھنوں کو سلجھانے کے لئے آریوس کا نظریہ کسی حد تک اطمینان بخش حل پیش کرتا ہے۔

فلسفیانہ لوگوس(Philosophical Logos):

یہ تصور یونانی فلسفے، خاص طور پر فایلو اسکندروی (Philo of Alexandria) اور رواقیت (Stoicism) سے آیا ہے۔ اِس کے مطابق لوگوس "کائناتی عقل" (Cosmic Reason) ہے، خدا اور کائنات کے درمیان واسطہ ہے، اور "الٰہی منصوبہ" یا "خدا کا ذہنی خاکہ" ہے (امثال 8:27-30؛ زبور 33:6)۔ فلسفیانہ تعبیرات کے مطابق لوگوس بطورِ "منصوبہِ تخلیق"، لوگوس بطورِ "آئینہ"، اور لوگوس بطورِ "مخزن" قرار پاتا ہے، جو انجیلِ یوحنا اور پولوسی خطوط (Pauline Epistles) کی الٰہیات سے کسی حد تک مطابقت رکھتا ہے (یوحنا 1:3؛ کلسیوں 1:16-17؛ افسیوں 3:9-11)۔ تاہم بعض ماہرینِ الٰہیات نے کچھ مسائل کی نشاندہی کر کے یوحنا کے لوگوس کو دیگر مروّجہ فلسفوں سے مختلف قرار دیا ہے، مثال کے طور پر "کلام مجسم ہوا" (ὁ λόγος σὰρξ ἐγένετο) کی تعبیر کرتے ہوئے یہ فرق سامنے آتا ہے کہ فلسفہ میں لوگوس ایک "مجرّد تصوّر" (abstract idea) ہے، جبکہ انجیلِ یوحنا میں لوگوس ایک "مجسّم ہستی" (personal, incarnate) ہے:

"اِس میں کلام نہیں کہ دینداری کا بھید بڑا ہے،
یعنی وہ، جو جسم میں ظاہر ہوا، اور روح میں راستباز ٹھہرا،
اور فرشتوں کو دکھائی دیا، اور غیر قوموں میں اُس کی منادی ہوئی،
اور دنیا میں اُس پر ایمان لائے، اور جلال میں اوپر اٹھایا گیا"
(1- تیمتھیس 3:16)۔

"اُس زندگی کے کلام (لوگوس) کی بابت، جو ابتدا سے تھا،
اور جسے ہم نے سنا، اور اپنی آنکھوں سے دیکھا، بلکہ غور سے دیکھا، اور اپنے ہاتھوں سے چھوُا۔

(یہ زندگی ظاہر ہوئی اور ہم نے اُسے دیکھا اور اُس کی گواہی دیتے ہیں اور اُسی ہمیشہ کی زندگی کی تُمھیں خبر دیتے ہیں، جو باپ کے ساتھ (پروس) تھی اور ہم پر ظاہر ہوئی)"

(1-یوحنا1:1-2)۔

لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ لوگوس مخلوقات سے پہلے "مجسّم" صورت میں موجود نہ تھا، بلکہ "تجسّم" مخلوقات کے بعد ہی ممکن ہوا۔ یعنی جب مادہ موجود ہی نہ ہو، تو کسی بھی مجرّد تصوّر کو ظاہری قالب نہیں دیا جا سکتا۔ یونانی فکر و فلسفہ لوگوس کی پہلی حالت کو پیش کرتے ہیں، جبکہ انجیلِ یوحنا اور مقدّس پولوس لوگوس کی دوسری حالت کو پیش کرتے ہیں:

"اُس نے، اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا۔ بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا۔ اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت، بلکہ صلیبی موت گوارا کی۔ اِسی واسطے خدا نے بھی اُسے بہت سربلند کیا اور اُسے وہ نام بخشا، جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے۔ تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے۔ خواہ آسمانیوں کا ہو، خواہ زمینیوں کا۔ خواہ اُن کا، جو زمین کے نیچے ہیں۔ اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے"

(فلپیوں2:6-11)۔

"اِسی لئے وہ دُنیا میں آتے وقت کہتا ہے کہ تُو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کِیا۔
بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کِیا"

(عبرانیوں10:5)۔

اِن آیات کو فلسفیانہ تصوّرِ لوگوس کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو دونوں میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا، بلکہ ایک طرح کی تدریجی ہم آہنگی (progressive harmony) دیکھی جا سکتی ہے۔

بعض مفکرین کے مطابق جب یہ کہا جاتا ہے کہ لوگوس خدا کا کامل عکس ہے، مگر خود قادرِ مطلق خدا نہیں، تو یہاں ایک منطقی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عکس کامل ہے، اور خدا کی تمام صفات رکھتا ہے، تو وہ خدا سے مختلف کیسے ہے؟ یہی وہ مقام ہے، جہاں روایتی مسیحی الٰہیات کہتی ہے کہ فرق "اقنوم" (Person) میں ہے، نہ کہ "جوہر" (Essence) میں، اور اِس کے لئے یوحنا10:30 (میں اور باپ ایک ہیں)، اور

یوحنا9:14(جس نے مجھے دیکھا، اُس نے باپ کو دیکھا) کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں جوہر کی تعریف میں اختلاف ہے، جس کی وجہ سے سوال پیدا ہوا، اور اِن دونوں حوالوں کی وضاحت اوپر کی جاچکی ہے، جس کے مطابق زیادہ بہتر مفہوم اور تشریح یہی معلوم ہوتی ہے کہ لوگوس مولودِ اوّل ہونے کی حیثیت سے بے شمار زمانوں تک خدا باپ کے سامنے رہا، جس سے بیٹے کی فطرت باپ سے مشابہ ہوگئی، لیکن اس کے باوجود بیٹا مولودِ اوّل ہی رہا۔ مولود کسی بھی طرح والِد نہیں بن گیا۔

پھر کہا جاتا ہے کہ لوگوس خدا کا کامل "مظہر" ہے (یوحنا1:18)، لوگوس میں تخلیق کا منصوبہ ہے (افسیوں1:9-10)، اور لوگوس خدا کو ظاہر کرتا ہے (عبرانیوں1:3؛2-کرنتھیوں4:6)۔ مگر لوگوس کو "مخلوق" نہ کہا جائے، بلکہ "ازلی مظہر" (Eternal Expression) سمجھا جائے (یوحنا1:1-2)۔ بعض علماء نے لفظ "**مخلوق**" کو حقارت آمیز سمجھتے ہوئے متبادل کے طور پر لفظ "**مولود**" کو ترجیح دی ہے (کلسیوں1: 15؛ عبرانیوں1:5)۔ لیکن بغور جائزہ لیا جائے تو "**ازلی مظہر**" اور "**ازلی مولود**" کی تشریحات خود بہت سے پیچیدہ اور اَنحل سوال پیدا کرتی ہیں۔ کیا الفاظ بدل دینے یا اُن کو زیادہ لطیف معنی پہنا دینے سے کوئی حل مل سکتا ہے؟ اِس طرح تو یہ محض لفظوں کا کھیل بن کر رہ جائے گا۔ درست راستہ یہی ہے کہ لوگوس کی مجرّد حیثیت کو مانتے ہوئے اُسے تمام مخلوقات سے پہلے رکھا جائے (یوحنا1:1؛5:17) اور تمام مخلوقات کے بعد اُس کے تجسّم کی گنجایش نکالی جائے (یوحنا1:14؛ گلتیوں4:4)، اور سب سے زیادہ احتیاط تھیوس اور لوگوس کو الگ رکھنے میں اختیار کی جائے (1-کرنتھیوں8:6)۔ کیونکہ یہی راستہ فلسفیانہ طور پر مضبوط ہے، بائبلی استعاروں سے قریب ترین ہے، اور ہر سطح کے ذہن کے لئے قابلِ قبول بھی ہے۔

یوحنا یہی بتاتا ہے کہ لوگوس خدا کا مظہر ہے، لیکن جسم میں آنے کے بعد (یوحنا1:18؛9:14)۔ کیونکہ جسم میں آنے سے پہلے وہ کسی قسم کے ظاہری اظہار کا باعث نہیں تھا۔ نئے عہد نامہ کے بعض حوالے یہ بتاتے ہیں کہ اُس کی خبر پیشتر سے تھی، لیکن ظہور اخیر زمانے میں ہوا:

"اُس کا عِلم تو بنایِ عالَم سے پیشتر سے تھا، مگر ظہور اخیر زمانہ میں تمہاری خاطر ہوا"

(1-پطرس1:20)۔

"اب خدا، جو تم کو میری خوشخبری، یعنی یسوع مسیح کی منادی کے موافق مضبوط کر سکتا ہے، اُس بھید کے مکاشفہ کے مطابق، جو ازل سے پوشیدہ رہا، مگر اِس وقت ظاہر ہو کر خُدائے ازل کے حکم کے مطابق نبیوں کی کتابوں کے ذریعہ سے سب قوموں کو بتایا گیا، تاکہ وہ ایمان کے تابع ہو جائیں"

(رومیوں16:25-26)۔

فرشتے بھی اُس کے دیدار کے طالب تھے:

"اُن پر یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ نہ اپنی، بلکہ تمہاری خدمت کے لئے یہ باتیں کہا کرتے تھے، جن کی خبر اَب تم کو اُن کی معرفت ملی، جنھوں نے روح القدس کے وسیلہ سے، جو آسمان پر سے بھیجا گیا، تم کو خوشخبری دی اور فرشتے بھی اِن باتوں پر غور سے نظر کرنے کے مشتاق ہیں"

(1-پطرس1:12)۔

اِس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جسم میں آنے سے پہلے ناقابلِ دید تھا:

"بقا صرف اُسی کو ہے، اور وہ اُس نور میں رہتا ہے، جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔ نہ اُسے کسی انسان نے دیکھا، اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ اُس کی عزّت اور سلطنت ابد تک رہے۔ آمین"

(1- تیمتھیس6:16؛یوحنا1:18)۔

پس ثابت ہوا کہ لوگوس کی حیثیت سے وہ ابتدا (ازلیت) میں مظہر نہ تھا۔ البتہ جب وہ انسانی جسم (یعنی یسوع مسیح میں) مجسم ہوا تو مظہر بن گیا اور فرشتوں نے بھی اُس کو دیکھ لیا(1 تیمتھیس3:16؛عبرانیوں 1:6)۔ لہٰذا بائبل کے مطابق یسوع مسیح کلیسیا کا سر ہے (کلسیوں1:18)، تمام چیزوں کا سر ہے (افسیوں1: 22)، اور روحانی قوتوں کا سر ہے (کلسیوں2:10)، مگر خود خدا کے تابع ہے (1-کرنتھیوں3:11)۔ مقدّس پولوس واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ بالآخر یسوع مسیح اپنے تمام اختیارات کو واپس خالق خدا باپ کے حوالے کر دے گا:

"اور جب سب کچھ اُس کے تابع ہو جائے گا، تو بیٹا خود اُس کے تابع ہو جائے گا،
جس نے سب چیزیں اُس کے تابع کر دِیں،
تاکہ سب میں خدا ہی سب کچھ ہو"

(1-کرنتھیوں15:28)۔

پہلو	قادرِ مطلق خدا (خالق / ماخذ)	لوگوس میں محفوظ منصوبہ (مظہر / مخزن)
حیثیت	تخلیق کا اصل ارادہ اور منبع	تخلیق کا نمونہ اور کامل نقشہ
کردار	قادرِ مطلق کے طور پر حکم صادر کرنا	وسیلہ کے طور پر منصوبے کو متشکل کرنا
تعلق	تمام مشیّت کا ازلی سرچشمہ	الٰہی ارادوں کا امین اور محفوظ مظہر

دسواں باب

صلیب پر کون مرا؟

لوگوس(Logos) کی ابدیت اور صلیب کی حقیقت

صلیب پر مرنے والی ہستی "خدا" تھی، کلام (لوگوس) تھا، یا محض ایک انسان؟ اِس سوال کا جواب تلاش کیے بغیر تجسّم اور تصلیب کے روحانی مقصد کو سمجھنا ناممکن ہے۔ یہاں ہم اِس پیچیدہ منطق پر توجہ دیں گے کہ ایک غیر فانی لوگوس کے لیے موت کا تصور کس قدر دشوار گزار علمیاتی مرحلہ ہے۔

مسیحیت کی پوری فکری اور وجودی عمارت جس بنیاد پر استوار ہے، وہ یہ ہیبت ناک سوال ہے کہ "صلیب پر دراصل کون مرا؟" یہ کسی لسانی نزاع یا سطحی علمی بحث کا عنوان نہیں، بلکہ یہ اُس اساسی معمے کی تفہیم کا تقاضا ہے، جو "تجسّم" اور "تصلیب" کے مابین ایک ناگزیر الٰہیاتی کڑی کے طور پر موجود ہے۔ اگر اِس سوال کا دوٹوک جواب فراہم نہ کیا جائے تو مسیحی علمِ کلام کا پورا ڈھانچہ اپنی منطقی بنیادوں سمیت منہدم ہو جاتا ہے۔ مصلوب ہستی کی وجودی ماہیت کے حوالے سے تین اساسی امکانات سامنے آتے ہیں؛

1۔ **تھیوس(Theos):** کیاوہ ذات، جو مصلوب ہوئی، فی الحقیقت خالقِ کائنات خدا تھی؟

2۔ **لوگوس(Logos):** کیاوہ ازلی "کلام" تھا، جس نے موت کی تلخی کو قبول کیا؟

3۔ **ابنِ خدا:** کیاوہ محض ایک تاریخی انسان تھا، جسے "ابنِ خدا" کے لقب سے موسوم کیا گیا؟

اِن سوالات کو حل کرنے میں ناکامی نہ صرف تجسّم کے فہم کو ناقص چھوڑ دیتی ہے، بلکہ صلیب کی پوری معنویت کو بے معنی ٹھہرا دیتی ہے۔ اِن حقائق کی درست علمی تحدید کے بغیر تصلب کا واقعہ محض ایک تاریخی حادثہ بن کر رہ جاتا ہے، جس سے پورے نظامِ عقائد کی منطقی ساخت پاش پاش ہو جاتی ہے۔ یہی وہ سنگین الٰہیاتی چیلنج ہے، جو ہمیں ابدیت اور موت کے مابین پائے جانے والے وجودی تناؤ کی گہرائی میں اترنے پر مجبور کرتا ہے۔ صلیب کا واقعہ ایک ایسا سنگین وجودی تصادم پیش کرتا ہے، جہاں "کلام" (Logos) کی ابدی، غیر متبدّل اور لافانی فطرت کا سامنا موت جیسی حتمی اور حیاتیاتی حقیقت سے ہوتا ہے۔ متن نہایت بصیرت کے ساتھ اِس پیچیدگی کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ "یہ خیال سمجھنا بھی آسان نہیں کہ لوگوس کو موت آئی ہو"۔ یہ جملہ اُس عمیق منطقی تضاد کو واشگاف کرتا ہے، جو حیاتِ ابدی کے منبع اور حیاتیاتی انقطاع

(Biological Cessation) کے درمیان پایا جاتا ہے۔ لوگوس، جو کائنات کا اصولِ حیات اور عقلِ کُل ہے، اُس کی موت کا مطلب الہٰیاتی ترتیب میں ایک عارضی "گہن" کے مترادف محسوس ہوتا ہے۔ یہ معمہ انجیلی الہٰیات کے قلب میں وہ تڑپتا ہوا سوال ہے، جو محض عقیدت مندانہ مطالعے سے حل نہیں ہو سکتا، بلکہ ایک ماہرانہ الہٰیاتی تفتیش کا متقاضی ہے۔ اِس تضاد کی سنگینی ہی دراصل اُس علمِ کلام کی اساس ہے، جو ابدیت اور وقت کے اِس پُر اسرار سنگم پر صلیب کی حقیقت کو تلاش کرنے کی سعی کرتا ہے اور یہی وہ مقام ہے، جہاں سے ہم اُن مخصوص اصطلاحات کے تجزیے کی طرف بڑھتے ہیں، جو مصلوب کی شناخت متعین کرتی ہیں؛

اصطلاحی مباحث۔ تھیوس، لوگوس، اور ابنِ خدا کی ماہیت:

علمِ المسیح (Christology) میں اصطلاحات کا انتخاب صرف الفاظ کا کھیل نہیں، بلکہ یہ پورے الہٰیاتی ڈھانچے کی سمت متعین کرتا ہے۔ ہر اصطلاح اپنے اندر ایک الگ وجودی بوجھ اور نظریاتی نتائج چھپائے ہوئے ہے، مثلاً؛

1۔ **تھیوس (Theos)، یعنی خدا:** جب ہم "خدا کی موت" کی بات کرتے ہیں، تو ہم مصائبِ خداوندی (Patripassianism) جیسے پیچیدہ مباحث کو دعوت دیتے ہیں، جہاں پوری الوہیت کے دکھ اٹھانے کا تصور سامنے آتا ہے۔

2۔ **لوگوس (Logos)، یعنی کلام:** یہ اصطلاح ازلی کلام کے صلیبی واقعے میں اُس متحرک کردار کو ظاہر کرتی ہے، جو ابدیت اور انسانی تجربے کے درمیان واحد واسطہ ہے۔ یہاں کلام کا مصلوب ہونا، کائناتی نظام کے انسانی تاریخ میں ادغام کا مظہر ہے۔

3۔ **ابنِ خدا:** اگر اُسے محض ایک القابی شناخت یا "کم تر علم المسیح" (Low Christology) کے تناظر میں دیکھا جائے تو صلیب اپنی تمام تر قوتِ مخلصی (Redemptive Power) کو دھو دیتی ہے۔ اگر مصلوب ہونے والا محض ایک انسان تھا، تو اُس کی موت کائناتی نجات کا ذریعہ بننے کے قابل نہیں رہتی۔

اِن اصطلاحات کے درمیان انتخاب ہمارے پورے الہٰیاتی بیانیے کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ محض القابات کا تبادلہ نہیں، بلکہ یہ فیصلہ ہے کہ آیا صلیب ایک الہٰیاتی ضرورت تھی، یا محض ایک انسانی المیہ۔ اِن اصطلاحی مباحث کا منطقی نتیجہ ہمیں براہِ راست صلیب کی حتمی معنویت تک لے جاتا ہے۔ صلیب کی معنویت

کا کُلی انحصار اُس ہستی کی شناخت کی منطقی ناگزیریت پر ہے، جو اُس پر مصلوب ہوئی۔ جب تک مصلوب ہستی کی وجودی حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا، تب تک تجسّم کا پورا تصور ایک ادھورا خواب معلوم ہوتا ہے۔ متن اِس بات پر اصرار کرتا ہے کہ یہ "درست فہم"(Correct Understanding) ہی لازمی شرط ہے، جس کے بغیر مسیحی الہٰیاتی نظام کے پیچیدہ ابعاد تک رسائی ناممکن ہے۔

تجسّم کی ماورائی حقیقت صرف اُسی صورت میں آشکار ہو سکتی ہے، جب ہم اِس الہٰیاتی تحقیق کے ذریعے مصلوب کی ماہیت کا حتمی تعین کر لیں۔ یہ فہم ہی وہ کلید ہے، جو صلیب کے واقعے کو ایک انسانی موت کے درجے سے بلند کر کے ایک کائناتی نجات کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔ مصلوب کی شناخت کا سوال ہی دراصل وہ پیمانہ ہے، جس پر مسیحی فکر کی صداقت کو پرکھا جا سکتا ہے۔ پس تجسّم کے اسرار تک رسائی کا واحد راستہ اُس وجودی تفتیش سے ہو کر گزرتا ہے، جو ابدیت اور تصلیب کے سنگم پر واقع ہے۔ لیکن یہ فیصلہ قارئین پر ہے کہ وہ صلیب پر کس کو قربان کرتے ہیں، خدائے خالق و قادرِ مطلق کو؟ اپس کے لوگوس (کلام) کو؟ یا ابنِ انسان کو؟

گذشتہ تمام ابواب میں پیش کی گئی بحث آپ کے خیالات اور نظریات کو تشکیل دینے کے لئے تھی، تاکہ آپ نہ صرف بائبل کی الہٰیات سے واقف ہو جائیں، بلکہ اُس کو دیگر حقائق کے ساتھ تقابل کر کے قابلِ قبول و رد بھی بنا سکیں۔

نقایا سے پاکستان تک

اقتدار، فتویٰ اور تشدد کی کہانی

تاریخی و عمرانی نقطۂ نظر سے مذہبی ادارے اُس وقت ایک تبدیلی کا شکار ہوتے ہیں، جب اُن کی فکری و نظریاتی بالادستی کو منطقی چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب کلیسیائی ڈھانچے علمی مباحثے میں اپنی برتری برقرار رکھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں، تو وہ فکری مکالمے کے بجائے سیاسی جبر اور "ادارہ جاتی بقا کی تگ و دَو" (Institutional Survivalism) کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ عمل مذہبی دفاع نہیں، بلکہ "کلیسیائی بالادستی" (Ecclesiastical Hegemony) کو برقرار رکھنے کی ایک شعوری سیاسی کوشش ہے۔ جب مقتدر طبقہ اپنی علمی اور فکری لیاقت میں کمی محسوس کرتا ہے، تو وہ اپنے نفسیاتی عدمِ تحفظ کو چھپانے کے لیے اختلافی آوازوں کو قانونی اور ریاستی جبر کے ذریعے دبانے کی حکمتِ عملی اپناتا ہے۔ یہ رویہ علمی مکالمے کی جگہ "فقہی جبر" (Jurisprudential Coercion) کو رواج دیتا ہے، جس کی جڑیں چوتھی صدی عیسوی کے تاریخی موڑ سے جا ملتی ہیں۔

تاریخی پس منظر-نقایا کی کونسل (325ء) اور سیاسی مداخلت:

نقایا کی کونسل تاریخِ عالم میں اِس رجحان کا پہلا مستند نقشہ پیش کرتی ہے، جہاں ایک مذہبی ادارے نے اپنی بقا کے لیے ریاست کی طاقت کو آلۂ کار بنایا۔ یہ کونسل دراصل ایک علمی اختلاف کو "ریاستی سرپرستی میں وضع کردہ راسخ العقیدگی" (State-Sanctioned Orthodoxy) میں تبدیل کرنے کا نقطۂ آغاز تھی۔

قیصریہ کی کلیسیا نے جب دیکھا کہ آریوس کی مقبولیت اُن کے اقتدار کے لیے خطرہ ہے، تو اُنہوں نے بادشاہ قسطنطین کی خوشامد کے ذریعے اُسے اِس بات پر قائل کیا کہ ایک مذہبی اختلاف دراصل ریاست کے استحکام کے لیے خطرہ ہے۔ اِس طرح ایک کونسل کے ذریعے "بدعت کے حوالے سے قانون سازی" (Institutionalization of Heresy) کا عمل مکمل کیا گیا تاکہ آریوس کو قانونی طور پر مجرم قرار دیا جا سکے۔ یہ وہ تاریخی سانحہ تھا، جس نے آنے والی صدیوں کے لیے یہ روایت قائم کی کہ جب دلیل ختم ہو جائے

تو شاہی فرمان کو ہتھیار بنایا جائے۔ نظریاتی اختلاف کی یہ پُر تشدد سرکوبی دراصل "نفسیاتی عدمِ تحفظ" کا اظہار تھا۔ جب کسی ادارے کے مقتدر طبقے کو اپنے ہی عقیدے کی علمی بنیادوں پر شک ہونے لگے یا وہ مخالف کا جواب دینے کی فکری لیاقت نہ رکھتے ہوں، تو وہ جارحیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ قیصریہ کی کلیسیا نے یہی کچھ کیا۔ جب کوئی ادارہ "دلیل اور مکالمہ "(Reason and Dialogue) کے بجائے "انکار اور سرکوبی" کا انتخاب کرتا ہے، تو اُس کے پیچھے چند نفسیاتی محرکات کارفرما ہوتے ہیں، جیسا کہ یہ، مثلاً:

1۔ علمی دیوالیہ پن: اپنے عقیدے کو علمی طور پر ثابت کرنے میں ناکامی، جس کے نتیجے میں "فقہی جبر" کا سہارا لینا مجبوری بن جاتا ہے۔

2۔ افرادی قوت کا اخراج(Human Capital Drain): یہ خوف کہ مخالف نظریہ ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہمارے ادارے کے معاشی اور سیاسی ڈھانچے کو کمزور کر دے گا۔

3۔ مادی مفادات کا تحفظ: مذہبی سرکوبی کا اصل مقصد اکثر عقیدے کی حفاظت کے بجائے ادارہ جاتی مالیات، جائیدادوں اور افرادی قوت پر قبضے کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔

جب ادارہ جاتی ڈھانچہ اپنی نظریاتی ساکھ(Ideological Consensus) کھو دیتا ہے، تو وہ اپنی بقا کے لیے "Coercive Enforcement" کو لازمی سمجھتا ہے۔ عصرِ حاضر میں پاکستان میں بھی وہی "نقایاتی حکمتِ عملی" نظر آتی ہے، جہاں مقتدر مذہبی طبقہ اپنی علمی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے ریاست اور سیاست کا سہارا لے لیتا ہے۔ پاکستان میں بعض پادری، جو تثلیث کے عقیدے کو دلیل سے ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، اب "Oneness Believers" یا "Unitarians" کو ہدفِ ستم بنانے کے لیے وہی پرانے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ پاکستان میں مذہبی طور پر مقتدر طبقہ "تعلیمی دفاع" کے بجائے "سیاسی سازش" پر عمل پیرا ہے۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں علمی مکالمہ مکمل طور پر غائب ہے، پادریوں کی علمی کم مائیگی اور عقیدہِ تثلیث کو منطقی بنیادوں پر پیش کرنے میں ناکامی کا باعث ہے، اور نتیجے میں وہ صرف سیاسی و سماجی اشتعال انگیزی پھیلا کر اور مینارٹی وِنگز اور سیاسی نمائندوں کا استعمال کرتے ہوئے "ناواقف عوام" کو مشتعل کرنے میں مصروف ہیں۔ اِس عمل میں "ناواقف عوام" کو ایک سیاسی و سماجی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تاکہ عقیدے کے نام پر عوامی اشتعال پیدا کر کے اختلافی گروہ کو سماجی اور قانونی طور پر

دیوار سے لگایا جاسکے۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ جب کلیسیائی ڈھانچہ "مشروعیت کے بحران" (Crisis of Legitimacy) کا شکار ہوتا ہے، تو وہ علمی میرٹ کے بجائے عوامی جذبات کے استحصال کو ترجیح دیتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ قیصریہ کی کلیسیا سے لے کر آج کے تثلیث پسند پادریوں تک، ادارہ جاتی رویوں کا ایک ہی تسلسل ہے۔ جب بھی مذہبی ادارے علمی اور استدلالی لیاقت سے محروم ہوئے، اُنھوں نے سیاسی سازشوں کے ذریعے اپنی بقا کا رستہ نکالا۔ جس گروہ کے پاس ٹھوس عقلی دلیل نہیں ہوتی، وہ لازماً ریاست کی طاقت اور عوامی اشتعال کا سہارا لیتا ہے۔ مذہبی سرکوبی اکثر عقیدے کی جنگ نہیں، بلکہ "افرادی قوت" اور مادی وسائل کو اپنے قابو میں رکھنے کی معاشی تگ و دو ہوتی ہے۔ مذہبی اختلاف کو قانونی جرم بنانا دراصل علمی ارتقاء کو روکنے اور "ادارہ جاتی اجارہ داری" قائم کرنے کا قدیم ترین حربہ ہے۔

حالانکہ فکری و نظریاتی اختلافات کا واحد منصفانہ حل "دلیل اور مکالمہ" میں ہے، نہ کہ سیاسی سازشوں میں۔ جب کوئی مذہبی گروہ فکری استدلال کے بجائے سیاسی جبر کا انتخاب کرتا ہے، تو وہ وقتی طور پر تو غلبہ حاصل کر سکتا ہے، لیکن طویل مدت میں اخلاقی ساکھ اور مذہب کا علمی و روحانی جوہر ہمیشہ کے لیے دم توڑ دیتا ہے۔ یہ مسئلہ پچھلی چار دہائیوں سے پاکستان میں بسنے والے توحیدی مسیحیوں کو درپیش ہے، جن کو اہلِ تثلیث مختلف طریقوں سے ہراساں کرنے، فتوے لگانے، جائیداد و املاک سے محروم کرنے اور سیاسی و سماجی طاقت کے ذریعے مٹانے میں مصروف ہیں۔

پہلو	آریوس (Arius)	قیصریہ کی کلیسیا / اتھناسیوس
عوامی مقبولیت	رومن سلطنت کے وسیع تر حصوں میں اپنی تعلیمات کی وجہ سے بے حد مقبول	اتھناسیوس اُس وقت ایک گمنام شخص تھا، جسے کوئی نہیں جانتا تھا
تعلیمی بنیاد	ٹھوس انجیلی تعلیمات اور فہمِ عامہ سے ہم آہنگ	علمی بنیادوں کے بجائے ادارہ جاتی اثر و رسوخ پر انحصار
حکمتِ عملی	علمی تبلیغ اور فکری پھیلاؤ	قسطنطین کی خوشامد اور سیاسی گٹھ جوڑ

تمت بالخیر